مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

دل کی دنیا آباد کیجئے

افادات

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مرتب محمد زبیر استاذ الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

نام کتاب	:	دل کی دنیا آباد کیجئے
مصنف	:	حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم ، بنگلور وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور
مرتب	:	محمد زبیر استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم ، بنگلور
صفحات	:	۱۱۵
تاریخ طباعت	:	صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵
ناشر	:	مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور
موبائل نمبر	:	09634830797/09036701512
ای۔میل	:	maktabahmaseehulummat@gmail.com

فہرست مضامین

تعمیر قلب

فضیلت - ضرورت - اہمیت

باسمہ تعالیٰ

تمہید

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد:

''فیضان معرفت'' حضرت اقدس دامت برکاتہم کے اصلاحی مجالس کا مجموعہ ہے، جس کی تین جلدیں آچکی ہیں، چوتھی جلد کی ترتیب کا کام جب شروع کیا گیا تو ''دل'' پر حضرت اقدس نے جو بیانات فرمائے تھے، ان کو مرتب کیا گیا تو مضمون طویل ہوتا گیا، اور باتیں بھی نہایت شاندار اور دل کو موہ لینے والی تھیں، اس لئے خیال آیا کہ کیوں نہ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس کو الگ سے طبع کیا جائے۔ اسی وجہ سے اس کو الگ مرتب کر دیا گیا اور اس کتاب میں حضرت اقدس کے ایک مضمون کے بھی کچھ صفحات مضمون کی مناسبت کی وجہ سے شامل کتاب کر لئے گئے ہیں۔

حضرت اقدس سے اجازت لی گئی تو آپ نے بھی اسے پسند فرمایا اور اجازت مرحمت فرمائی، اور اس کا نام ''دل کی دنیا آباد کیجئے'' تجویز فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کتاب سے سالکین طریقت کو بہت فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبولیت سے نوازے، اور ہم سب کے دلوں کو بھی اپنا مسکن بنالے۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کواور رفیق محترم مولانا نور اللہ صاحب اور مولانا امین افسر صاحب اور مولانا یاسین صاحب کو اللہ تعالی جزائے خیر عطاء فرمائے کہ ان علماء کرام نے اس کتاب کی ترتیب وتصحیح میں میرا بھرپور تعاون فرمایا۔

محمد زبیر قاسمی

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم

۲۲/جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر قلب

فضیلت - ضرورت - اہمیت

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:

﴿قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَلاَ اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلاَ وَهِیَ الْقَلْبُ﴾

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشِ ہوش سے سن لو بلا شبہ جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے، اور سن لو وہ دل ہے)

(بخاری: ۱/۱۳، مسلم: ۲/۸۲)

حقیقت قلب

محترم بھائیو! حدیث سمجھنے سے پہلے قلب کی حقیقت کا جان لینا ضروری ہے۔ لفظ قلب کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک تو اس لحم صنوبری پر جو سینے کے بائیں جانب ہے اور اس کے اندرون میں ایک خانہ ہوتا ہے جس میں سیاہ خون بھرا ہوا ہوتا ہے، یہی منبع روح ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ گوشت کا لوتھڑا انسان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ

دیگر حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے، جس کی کوئی خاص فضیلت واہمیت نہیں ہوسکتی۔

قلب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک لطیفۂ ربانی وروحانی ہے جو حقائق و معارف کا ادراک کرتا ہے اور ایسی اشیاء کا مشاہدہ کرلیتا ہے جن کو خیال ووہم حاصل نہیں کرسکتے۔ اسی معنی کر قرآن کی اس آیت میں قلب مراد ہے:

﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ [ق:۳۷]

(اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو قلب (دل) رکھتا ہے)

اس آیت میں وہ صنوبری شکل مراد نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ یہ گوشت کا لوتھڑا تو ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے پاس ہے تو پھر " لمن كان له قلب" کی قید کیسے ہوسکتی ہے؟ پس یہ قید احترازی اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو قلب (دل) نہیں رکھتے اوران کو دلائل واضحہ وآیات بینہ سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی، پس یہاں قلب سے دوسرے معنی مراد ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تفسیر ''روح المعانی'' میں رقمطراز ہیں:

"و هو في الأصل مصدر سمى به الجسم الصنوبرى في التجويف الأيسر من الصدر وهو مشرق اللطيفة الإنسانية ويطلق علىٰ نفس اللطيفة النورانيةالربانية العالمة التي هي مهبط الأنوارالإلٰهية الصمدانية و بها يكون الإنسان إنساناً وبها يستعد لاكتساب الأوامر واجتناب الزواجر الخ". (روح المعاني: ۱/ ۱۳۴)

(اور وہ قلب اصل میں مصدر ہے جس سے جسم صنوبری کو موسوم کیا گیا ہے جو سینے کے بائیں ضوف میں رکھا گیا ہے اور یہ لطیفۂ انسانی کو روشن کرنے والا ہے اور (قلب) خود اس لطیفۂ نورانیہ ربانیہ پر بھی بولا جاتا ہے جو انوار الٰہیہ کا مہبط ہے، اسی

لطیفۂ نورانی سے انسان انسان بنتا ہے اور اسی کی مدد سے انسان اللہ کے دیئے ہوئے حکموں (اوامر) کو بجالانے اور اس کی منع کردہ چیزوں (نواہی) سے بچنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔)

اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے قلب کو معرفت حق کا منبع و محل اور اسرار و حکم کا مخزن و معدن کہا جاتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قلب کوئی محسوس شئ نہیں جس کو مخزن حقائق و معدن دقائق قرار دیا جائے بلکہ وہ ایک معنوی حقیقت ہے جس کا حاسۂ بصر سے ادراک نہیں ہوسکتا۔

حدیث میں قلب کا مصداق

اس حدیث پاک میں مضغۂ لحم و شکل صنوبری پر قلب کا اطلاق کرنے ساتھ ساتھ اس کو جسم کے صلاح و فساد کا مدار قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے جسمانی صلاح و فساد مراد نہیں بلکہ معنوی صلاح و فساد مراد ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ حضرت شارع علیہ السلام کا منصب جسمانیات سے بحث کرنا نہیں ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کہ صلاح قلب یا فساد قلب، صلاح جسم و فساد جسم کا باعث ہے؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ دل کی بیماری سے محفوظ ہیں مگر دوسرے امراض جسمانی میں مبتلا ہیں اور ایسے ہی کتنے مریض قلب ہیں جو دوسرے امراض جسمانی سے محفوظ ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ صلاح و فساد سے معنوی صلاح و فساد مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے صلاح و فساد معنوی کو اس صنوبری شکل اور مضغۂ لحم کے صلاح و فساد پر کیونکر مرتب فرمایا جب کہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے؟ تو اس کا جواب

ہماری اوپر کی تقریر سے واضح ہوگیا کہ چونکہ قلب بمعنی لطیفۂ ربانی میں اور قلب بمعنی مضغۂ لحم میں ایک مناسبت اور تعلق خفی ہے ؛ اس لئے آپ نے ایک کا اطلاق دوسرے پر فرمادیا ہے۔اب رہا یہ کہ تعلق کس نوعیت و کیفیت کا ہے؟ تو اس کے ادراک سے ہم عاجز ہیں جیسے روح و جسم کا تعلق کہ اس کی نوعیت بھی عام عقول و اذہان کے میطۂ ادراک سے باہر ہے، حالانکہ اس تعلق کا انکار ممکن نہیں بس ایسے ہی یہاں سمجھ لیا جاوے۔ البتہ بعض حضرات کو اس تعلق کی نوعیت و کیفیت کا بطور کشف و الہام ادراک ہو جاتا ہے؛ لیکن یہ حضرات بھی دوسروں کو یہ نوعیت سمجھانے سے قاصر رہتے ہیں ؛ کیونکہ یہ محض ایک وجدانی چیز ہے جو الفاظ کی تعبیر میں سما نہیں سکتی اور الفاظ میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ اس کو اپنے اندر سمو سکے۔

انسان شکل وصورت سے نہیں بنتا

محترم حضرات ! دنیا کے انسانوں میں آپ غور کریں تو آپ کو دو طرح کے انسان ملیں گے ،ایک وہ جو صرف ظاہراً انسان کہلا سکتے ہیں ،یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں صورت کے اعتبار سے ،شکل کے اعتبار سے، ڈیل ڈول کے اعتبار سے، ظاہر کے اعتبار سے، آپ کو انسان نظر آئیں گے ،مثلاً ان کے ناک کان ایسے ہی ہوں گے، جیسے عام انسانوں کے ہوا کرتے ہیں، اسی طرح ان کے اعضاء جسم ایسے ہی ہوں گے جیسے اور لوگوں کے ہوتے ہیں، سب کچھ انسانوں کی طرح ،لیکن دل ان کا انسانوں جیسا نہیں ہوتا، ان کا دل تو ایک شیر اور بھیڑیئے کی طرح ہوتا ہے، کسی خونخوار درندے کا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی صفات بھی درندوں جیسی ہوتی ہیں۔ظلم کرنا، زبردستی کرنا، مارتوڑ کرنا، قتل و غارت گری کرنا، وغیرہ۔ یہی ان کا مشغلہ اور پیشہ ہوتا ہے۔

ابھی ایک خبر آپ نے اخباروں میں پڑھی ہوگی کہ ایک لڑکی کو اس کے شوہر اور اس کے خاندان والوں نے جلا کر خاکستر کر دیا۔ کیا یہ ان کے اندر خون خوار مادہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا؟ کیا یہ درندہ پن نہیں ہے؟ آپ ان کو جا کر دیکھئے کہ ان کی آنکھ، ان کا چہرہ آپ ہی کی طرح ہے، ان کی چال ڈھال اور اسی طرح ان کا رہن سہن آپ ہی کی طرح ہے لیکن اندر کی جو چیز ہے وہ انسانوں جیسی نہیں ہے، بلکہ وہ ریچھ اور باگھ کی طرح ہے۔

تو یہ انسان باوجود اس کے کہ اس میں انسانی اعضاء بوجہ اتم موجود ہیں، لیکن اگر اس کا دل بنا ہوا نہ ہو تو یہ نامکمل انسان ہے، اصل انسان صورت وشکل کا نہیں ہوا کرتا بلکہ اصل انسان جسے کہتے ہیں وہ دل کے بننے سے بنتا ہے، ظاہراً تو اسے انسان کہیں گے؛ لیکن باطناً اسے انسان نہیں کہا جاتا، جیسے ابوجہل ظاہر کے اعتبار سے انسان تھا لیکن حقیقت کے اعتبار سے شیطان تھا، فرعون ظاہراً تو انسان تھا لیکن دل کے اعتبار سے وہ شیطان سے بھی بدتر تھا۔

دوسری طرف ایسے لوگ بھی آپ کو نظر آئیں گے جن کا ظاہر بھی انسانوں کی طرح ہوتا ہے اور باطن یعنی دل بھی کامل انسانوں جیسا ہوتا ہے۔ ان کا دل عشق خداوندی سے لبریز ہوتا ہے، دولت معرفت سے سرشار ہوتا ہے، محبت الٰہی سے معمور ہوتا ہے۔ یہی لوگ دراصل حقیقی انسان کا مصداق ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ انسان ظاہر کے اعتبار سے تو بہت ہوتے ہیں لیکن ظاہری اعتبار سے انسان کا ہونا انسانیت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ دل کا بنا ہوا ہونا ضروری ہے۔ اور انسانوں کی فلاح ونجات کا دارومدار بھی دل کے بننے وسنورنے پر ہے، ظاہر کے سنورنے پر نہیں۔

انسان دل کو بنانے کا مکلّف ہے

جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے ،اس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کو سنوارنے کی ،اور دل کو دل بنانے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ" (مسلم: ٢٥٦٤)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)

اس حدیث سے بھی علم ہوا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے دلوں کو بنالیں، ظاہر بنانا ہمارا کام نہیں، ظاہر تو اللہ نے بنادیا ہے، جس کو جیسی شکل دینی تھی ،اللہ نے دے دی۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿**يَاأَيُّهَاالْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَاشَاءَ رَكَّبَكَ**﴾(اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس رب کریم سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تیرے اعضاء کو درست کیا، پھر تجھے اعتدال کے ساتھ بنایا، پھر تجھے جس شکل میں چاہا ترکیب دیا) [الانفطار: ٦]

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں تو جسم بنا چکا، رنگت وصورت بھی تجھے جتنی دینی تھی دیدی، اب کوئی گورا، کالا یا کوئی کالا، گورا نہیں ہوسکتا، اور میرے نزدیک اس ظاہر پر فیصلے ہونے والے بھی نہیں ہیں، فیصلے تو باطن پر ہونے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ انسان دل کو بنانے کا مکلّف ہے، اور اسی پر نجات کا مدار ہے۔

خوبصورتی نے ابولہب کو کامیاب نہیں کیا

جی ہاں! جب ظاہر پر آخرت میں فیصلے ہونے والے نہیں ہیں تو کسی کا حسین ہونا، اس کی کامیابی کی دلیل نہیں اور کسی کا بدصورت ہونا، اس کی ناکامی کی دلیل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ابوجہل کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بہت خوبصورت تھا، اور ابولہب کے بارے میں تو آتا ہے کہ وہ بہت ہی حسین وجمیل تھا، اس کا اصل نام تو عبدالعزیٰ تھا، لیکن اس کو لوگوں نے ابولہب اس لئے کہا کہ وہ بڑا حسین وخوبصورت تھا، عربی میں ''لہب'' کے معنی آتے ہیں ''آگ کی لپٹیں''۔ جب آگ اٹھتی ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی لپٹوں میں کیسی چمک ہوتی ہے اور کتنی خوبصورتی ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ پکڑ لیں، لیکن نتیجہ معلوم ہے اس لئے نہیں پکڑتے۔

ابولہب بھی اسی طرح بڑا ہی خوبصورت تھا، چہرے پر اندر سے خون کی ڈوریاں ایسی محسوس ہوتی تھیں، جیسی کہ آگ کی لپٹیں آ رہی ہوں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اسے ''ابولہب'' کہا۔ لیکن قرآن میں اس کے بارے میں کہا گیا:

﴿تَبَّتْ يَدَاأَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَاأَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَاكَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًاذَاتَ لَهَبٍ﴾ [اللهب]

(ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اسی ''ابولہب'' کے ساتھ ملا کر یہ کہہ دیا کہ یہ ظاہر میں ابولہب تھا اور حقیقت میں بھی آگ میں جانے کے قابل ہے، عنقریب وہ جہنم میں جائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ظاہری حسن اس کے کچھ کام نہ آیا، اگر ظاہری حسن کی وجہ سے کوئی کامیاب ہوتا تو ابولہب ناکام نہ ہوتا۔

بدصورتی نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ناکام نہیں کیا

اچھا! اب اس کے مقابلہ میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ وہ ظاہر میں کالے کلوٹے تھے، بظاہر بدصورت تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام ومرتبہ عطا کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بعد نماز فجر کے حضرت بلال سے فرمایا کہ اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام میں وہ کونسا عمل کیا ہے جو زیادہ قابل امید یعنی ثواب کی امید والا ہے؛ کیونکہ میں نے جنت میں میرے آگے تمہارے جوتوں کی آواز محسوس کی ہے۔ حضرت بلال نے عرض کیا کہ میں نے جب بھی وضو کیا رات میں یا دن میں تو ضرور حسب توفیق نماز پڑھی ہے۔ (بخاری: ۱۱۴۹)

یہ واقعہ بعض علماء کے نزدیک معراج کا ہے اور بعض نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ اللہ کے رسول نے خواب میں دیکھا تھا۔

بھائیو! یہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، صورت میں تو کالے وبھونڈے، لیکن اللہ کے نزدیک ان کا مقام ومرتبہ اتنا اونچا؛ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دل کو دل بنالیا تھا، جنہوں نے بھی اپنے دل کو دل بنالیا، ان کا یہ مقام ہوتا ہے اور جنہوں نے اپنے دل کو پتھر کی سل بنالیا، ان کا انجام بھی آپ نے سن لیا کہ ابولہب کا کیا حشر ہوا؟

تو معلوم ہوا کہ اصل چیز دل کو بنانے کی محنت ہے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے دل کو بنانے کی فکر میں لگ جائے اور اپنے آپ کو واقعی انسان بنانے کی فکر میں اور جدوجہد میں لگادے۔

افسوس کہ ہم ظاہر کے سنوارنے میں لگ گئے

عجیب بات بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمارے جسموں

کو بنا کر بھیج دیا ہے، اور بہت ہی عمدہ بنا کر بھیجا ہے، لیکن پھر بھی ہم اپنے جسموں ہی کے بنانے میں لگے ہیں، عورتیں اپنے آپ کو حسین وخوبصورت بنانے کیلئے بیوٹی پارلر جاتی ہیں، چہروں کی خوبصورتی کے لئے ہزاروں روپئے خرچ کرتی ہیں، کبھی بالوں کو ٹھیک کرنے کے لئے محنت کرتی ہیں، اسی طرح کپڑے بھی عمدہ سے عمدہ پہننے کی کوشش کرتی ہے، اور کبھی ظاہری زیب وزینت کے لئے نا جائز کاموں کا بھی ارتکاب کرتی ہیں، مثلاً بعض عورتیں مردوں کا لباس اختیار کر لیتی ہیں جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

بعض عورتیں ہتھیلیوں اور ناخنوں پر ایسا رنگ چڑھاتی ہیں، جو ان پر کوٹ ہو جاتا ہے، اور وضو کے پانی کے پہنچنے کے لئے حائل بن جاتا ہے، جب پانی نہیں پہنچے گا تو وضو نہیں ہوگا، جب وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی؛ لیکن آج کل عورتوں کو حسین بننے کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ وہ جائز و ناجائز تک کا لحاظ نہیں کرتیں۔

اسی طرح مرد حضرات بھی حسین نظر آنے کے لئے ڈاڑھی منڈا دیتے ہیں جو گناہ کبیرہ ہے، اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے، پھر ویسے بھی کوئی ڈاڑھی منڈانے سے حسین نظر نہیں آتا بلکہ اور بدشکل ہو جاتا ہے۔

بھائیو! کیا ہم سب اپنے دلوں کے بنانے اور سجانے کی اتنی فکر کرتے ہیں؟ اتنی کوشش کرتے ہیں؟ محنت کرتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ گناہوں کی وجہ سے دل غبار آلود بلکہ زنگ آلود ہو چکا ہے، دل پر گناہوں کے سیاہ نقطے لگتے لگتے دل بالکل کالا ہو چکا ہے، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اس دل کو منور کرنے کی فکر کرتے ہیں؟ ظاہر کو سنوارنا جو کہ ایک غیر ضروری امر ہے اس کے پیچھے ہماری زندگیاں ختم ہو رہی ہیں، اس کے لئے ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے، لیکن افسوس کہ دل کو سنوارنے

کے لئے کوئی وقت نہیں ہے۔

دل کی حالت کے سلسلہ میں اللہ کے نبی ﷺ کی فکر

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ باربار دعا میں فرمایا کرتے تھے: " **اللّٰھم ثبّت قلبی علیٰ دینک**" (اے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا) اور کبھی کہتے تھے: "**یامقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک**" (اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے میرے دل کو تو اپنے دین پر جمادے) یہ دعائیں بار بار کرتے تھے۔

متعدد صحابہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک وغیرہ سے مروی ہے، ان میں سے ہر ایک کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم غیر مسلم تھے آپ کی بدولت ہم اسلام میں داخل ہو گئے، اب ہم الحمدللہ مسلمان ہیں، اس کے باوجود ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ بار بار یہ دعا کرتے ہیں، کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی اندیشہ لگا ہوا ہے؟ کیا یہ دل کبھی پلٹ جائیگا؟۔ سوال دیکھئے کتنا دقیق ہے؟ کتنا غور و فکر کرنے کے بعد انہوں نے یہ سوال کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "**ان القلوب بَینَ اِصْبَعَینِ من اصابع الرحمٰن یُقَلِّبُھَا کیف یشاء** " (یہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہیں، وہ جس طرح چاہے ان کو الٹ پلٹ کرتا ہے)

(سنن الترمذی: ۲۱۴۰، و ۳۵۲۲، الاحادیث المختارۃ: ۳/۱۰ ۳۱، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ۲۶۷۰، مشکوۃ: ۲۲)

یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہاں ہاں یہ دل تو ایسی ہی چیز ہے کہ لمحے میں یوں تو لمحے میں یوں۔ معلوم ہوا اس سلسلہ میں بڑے ہی باشعور اور متیقظ رہنے کی ضرورت ہے،

یہ نہیں کہ ایسا ہی چھوڑ دیا جائے اور ایسی ہی زندگی گزار دی جائے ، اور اگر یوں ہی الٹ پلٹ کا سلسلہ جاری رہے تو صبح میں مومن ہے تو شام میں کافر، شام میں مومن تو صبح میں کافر ہونے کا سلسلہ رہیگا۔کوئی شیطانی کھیل کھیل رہا ہوگا، یہاں تک کہ اسی الٹ پلٹ کے اندر اس کی زندگی گزر جائیگی اور اسی طرح وہ لب گور پہونچ جائیگا، اس لئے فکر کی ضرورت ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی نظر میں قابل تعظیم دل

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ کہیں جارہے تھے، اللہ تعالی نے ان کو بہت سے معجزات عطا کیے تھے، اس میں ایک معجزہ ان کا یہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، راستہ میں ایک جگہ قبرستان پر سے گذر ہوا، ان کے اور کچھ حوارییں ان کے ساتھ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہاں ایک کھوپڑی پڑی ہوئی ہے، اس کھوپڑی کو اٹھایا اور اس کے کان کے سوراخ میں انہوں نے کچھ ڈالنا چاہا؛ لیکن اس میں وہ چیز داخل نہیں ہوئی، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس کھوپڑی کو زور سے پھینک دیا، پھر آگے بڑھے، ایک اور کھوپڑی ان کو نظر آئی ، اس کھوپڑی کو اٹھایا اور اس میں بھی انہوں نے کوئی چیز کان کی طرف سے گھسانی چاہی تو وہ اندر گھس گئی اور دوسری طرف سے نکل گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کھوپڑی کو بھی زور سے پھینک دیا اور پھر اس کے بعد ایک اور کھوپڑی ملی ،اس کھوپڑی کو بھی اٹھایا، پھر اس میں بھی کچھ داخل کیا تو ایک کان میں وہ چیز گھس کر اندر ہی رہ گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو بوسہ دیا اور پھر ادب سے لیجا کر ایک جگہ دفن کردیا، آپ کے حواریوں نے پوچھا کہ حضرت ! یہ کیا ماجرا ہے؟ کہ ایک کھوپڑی کو آپ نے دیکھا پھینک دیا اور ایک کھوپڑی کو دیکھا اس کو پھینک دیا یہ تیسری

کھوپڑی اٹھائی اور پھر اس کو دیکھا، بوسہ دیا، لیجا کر دفن کیا، کیا قصہ ہے؟

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: پہلی کھوپڑی وہ ہے کہ اس کے کان میں کوئی حق بات گھستی ہی نہیں تھی، یہ اتنا بڑا کافر تھا کہ اللہ کے پیغمبر اس کے پاس آتے تھے، اللہ کی باتیں اس کو سنائی جاتی تھیں؛ لیکن اتنی سختی اس کے اندر پیدا ہوگئی تھی کہ اس سختی کا اثر کانوں پر بھی ہوگیا تھا؛ اس لئے کان اس بات کو سنتے بھی نہیں تھے، اس لئے میں نے اس کھوپڑی کو اٹھا کر پھینک دیا کہ یہ قابل تعظیم وتکریم نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو قابل توہین ہے، قابل تذلیل ہے۔ دوسری جو کھوپڑی ملی وہ مومن کی کھوپڑی تھی وہ مومن تھا، مانتا تھا، سنتا تھا، لیکن ایک طرف سے سن کر دوسری طرف سے نکال دیتا تھا؛ اسی بات کی جانب اشارہ تھا اس چیز میں بھی جس کو میں نے اس کے کان میں داخل کیا تھا کہ وہ بھی ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گئی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کی باتیں سنتا تھا لیکن وہ دل میں نہیں اترتی تھی اور اس کا دل اس قدر سخت تھا کہ کان تو اسے سنتے تھے؛ لیکن دل اس کا قبول نہیں کرتا تھا۔ ہم میں سے بھی کتنے ایسے ہونگے کہ قرآن سنتے ہیں، حدیث سنتے ہیں، مسائل سنتے ہیں اور دین کی باتیں سنتے ہیں؛ لیکن وہ ادھر سے سنتے ہیں، ادھر سے نکال دیتے ہیں، دل کے اندر گھسنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اسکو بھی قابل تعظیم نہیں سمجھا؛ اس لئے اس کو بھی پھینک دیا۔

اور جو تیسری کھوپڑی ملی تھی یہ مومن کامل کی کھوپڑی تھی، مومن بھی تھا، مومن کامل بھی تھا، کمال اس کے اندر تھا، انبیاء کی باتیں، اللہ کے دین کی باتیں سنتا تھا؛ لیکن ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا نہیں تھا؛ بلکہ ایک کان سے سنتا

تھا اور دل کے اندر اتار لیتا تھا؛ اس لئے جب میں نے اس کے کان میں وہ چیز ڈالی تو اندر رہ گئی۔

بھائیو! سوچنے کی ضرورت ہے آج ہمارے دلوں کا کیا حال ہے؟ اس کے اندر سختی کہاں سے کہاں تک پہونچ گئی ہے۔ دین کی باتیں دل میں اثر ہی نہیں کر رہی ہیں۔ دلوں کی سختی کو ہٹایا جائے اور دلوں کو نرم کیا جائے، اس کے لئے محنت کرنا ہوگا اور کسی بھٹی میں ڈال کر اس کو تپانا اور پکانا ہوگا۔

دل کے اندر معرفت کا چشمہ جاری کرلیں، ایک تمثیلی واقعہ

مولانا رومؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک جگہ ایک بادشاہ تھا اور بادشاہ نے عالی شان محل بنایا، بہت بڑا لمبا چوڑا بنا دینے کے بعد اس نے سوچا کہ یہاں پانی کا نظم بھی ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ سب کچھ موجود ہو اور پانی ہی نہ ہو تو کیا فائدہ ہوگا؟ اور لوگ یہاں کیسے زندہ رہیں گے؟ تو وہاں قریب میں ایک نہر بہتی تھی، بادشاہ کے دماغ میں یہ بات آئی کہ اس نہر سے ایک شاخ کھود کر محل کے اندر لے لی جائے اور مختلف جگہ پر اس کو بہا دیا جائے اور اس طرح بہا دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب جگہ پانی بھی پہونچتا رہے گا اور دیکھنے میں حسین اور خوبصورت بھی لگے گا۔

اس نے اپنے مشیروں کو بلایا اور ان سے مشورہ کرنے لگا کہ دیکھو ہمارے محل میں پانی کا کوئی نظم نہیں ہے؛ لیکن ہمارے محل کے باہر ذرا سے فاصلہ پر ایک بہت بڑی نہر بہتی ہے، جس کا پانی بڑا ہی صاف وشفاف اور بڑا ہی حلاوت آمیز ہے، اس نہر کی ایک شاخ کاٹ کر میں اپنے محل میں جاری کرنا چاہتا ہوں، کیا رائے ہے؟ تو سب نے کہا کہ حضور بہت اچھا، اس سے زیادہ اور کیا بہتر ہوگا؟ ایک آدمی کہنے

لگا کہ نہیں نہیں! یہ بہتر نہیں بلکہ خطرناک ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیوں؟ کیا خطرہ ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ نہیں میری رائے یہ ہے کہ باہر کی نہر اندر لانے کے بجائے اندر ہی کنویں کھود لئے جائیں، مختلف جگہوں پر کنویں کھود لئے جائیں اور یہ کنویں اندر رہوں گے اور آپ جتنا چاہیں پانی نکال سکتے ہیں۔

لیکن بادشاہ نے کہا کہ یہ دیکھنے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا، یہ بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہر ہمارے محل کے اندر کاٹ کر لائی جائے اور اسے مختلف جگہوں پر بہایا جائے، اس میں حسن اور خوبصورتی ہے اور پھر پانی کا پانی بھی۔

اس آدمی نے کہا کہ میری تو رائے یہی ہے کہ اندر نہر کھودی جائے، باہر سے نہر نہ لائی جائے؛ لیکن چونکہ وہاں کی اکثریت کی رائے بادشاہ کی رائے کے موافق تھی؛ لہذا اسی پر عمل کیا گیا اور نہر کاٹ کر محل میں لے لی گئی، پانی بہترین آرہا تھا، خوش نما بھی لگ رہا تھا، لوگ اس سے استفادہ اور انتفاع بھی کر رہے تھے اور زندگی بڑی اچھی گزر رہی تھی۔

لیکن چند سالوں بعد ایک اور ملک کے بادشاہ نے اس ملک پر حملہ کرنا چاہا اور دونوں کے درمیان ایک سیاسی جنگ چھڑ گئی، اس جنگ کا ارادہ کرنے کے بعد وہ بادشاہ اپنے تمام لشکر کے ساتھ آکر اس کے محل کا محاصرہ کرلیا اور محاصرہ کرنے کے بعد سب سے پہلے جو کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ اس کے محل کے لئے جس نہر سے پانی بہتا تھا، وہاں ایک مینڈھ لگا دیا اور آکر براجمان ہوکر بیٹھ گیا کہ اب باہر کا پانی اندر نہیں جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو پانی اندر جاچکا تھا وہ تو جاچکا تھا؛ لیکن اب باہر سے اندر کے لئے پانی پر مینڈھ لگ چکی تھی اور اندر جو پانی تھا،، وہ خرچ ہوتا رہا، ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک دن پانی ہی بند ہوگیا، اب بادشاہ اور تمام ارکان سلطنت پریشان

کہ اب کیا ہوگا؟ پانی تو ان لوگوں نے بند کردیا ہے۔

اب وہ مشیر آیا جس نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ حضور محل کے اندر نہر سے شاخ لانے کا ارادہ نہ کیجئے گا کہ یہ بڑا خطرناک کام ہے، اس نے آکر کہا کہ حضور میں نے تو آپ کو پہلے ہی آگاہ ومتنبہ کردیا تھا کہ آپ جو باہر کی لذت اندر لانے کی کوشش کررہے ہیں، یہ بڑا خطرناک کام ہے کہ اگر کوئی یہاں آکر بیٹھ جائے، جیسے یہ بیٹھ گیا تو خطرہ پیش آنے کا امکان تھا؛ اسی لئے میں نے آپ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ باہر کی چیز اندر لانے کے بجائے اپنے اندر سے ہی پانی پیدا کرلیں۔ اب وہ سر پکڑ کر پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ ہاں بھائی! تیری بات تو مجھے اس وقت سمجھ میں نہیں آئی، اب سمجھ میں آرہی ہے۔

بس مولانا روم نے یہ واقعہ بیان فرما کر تمام سالکین طریقت کو یہ سبق دیا ہے کہ تمہاری یہ جو (Body) ہے، اسے بادشاہ کا محل سمجھو، اس بادشاہ کے محل کے اندر ایک دل موجود ہے، اس دل کے اندر آپ معرفت کا چشمہ جاری کرسکتے ہیں، محبت الٰہی کا چشمہ جاری کرسکتے ہیں، خوف خداوندی کا چشمہ کھود سکتے ہیں، اس کے اندر صبر وتوکل کے چشمے جاری کرسکتے ہیں؛ لیکن عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ باہر کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے آنکھ سے اور کان سے اور ہاتھ وپیر سے لذت لیتے ہیں یہ باہر کی لذت ہے، جو باہر کا پانی آپ کو دیتی رہتی ہے اور وہ بھی سڑا ہوا پانی آپ کو دیتی ہے، اچھا پانی بھی نہیں دیتی، یہ باہر کا سڑا ہوا اور گندا و گدلا پانی آپ کی آنکھ کے ذریعے، آپ کے کانوں کے ذریعہ، آپ کے دل میں پڑ رہا ہے اور آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھے مزہ آرہا ہے؛ لیکن جوں ہی اس (Body) کا مخالف یعنی موت کا فرشتہ آجائیگا اور باڑ لگا دیگا تو سوائے اس کے کہ اندر اندھیرا چھا جائیگا اور

کیا رہیگا؟

کہتے ہیں کہ اب پہلے سے چشموں کا تو اندر کوئی انتظام نہیں ہے، معرفت و محبت کا چشمہ وہاں نہیں ہے، خوف خداوندی کا چشمہ وہاں نہیں ہے؛ اسی طرح دیگر چشمے وہاں نہیں ہیں، دل کو سیراب کرنے کا کوئی نظام وہاں اندر نہیں بنایا گیا، اور یہ باہر کی لذتیں اس وقت بند ہو جاتی ہیں، جس وقت موت کا فرشتہ آ کر موت کا حملہ کر دیتا ہے۔ اب اس میت سے پوچھ لیجئے کہ کیا آنکھ سے مزہ آرہا ہے؟ کان سے مزہ آرہا ہے؟ سننے، دیکھنے اور پکڑنے کے مزے آرہے ہیں؟ اور مختلف قسم کے مزے تو لے لے کر زندگی گذار رہا تھا، کیا ان میں سے کوئی مزہ تجھ کو آرہا ہے؟ وہ بزبان حال کہے گا کہ نہیں، سب بے کار ہے، کچھ بھی مزہ نہیں آرہا ہے، یہ ہے **"هاذم اللذات"** کا حملہ، جب باہر سے حملہ ہو جائیگا تو بھائیو باہر کی کوئی چیز کام نہیں آئیگی۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ جواب یہی ہے کہ جیسے اس مشیر نے بادشاہ کو رائے دی تھی کہ محل کے اندر ایک نہر کھودنے کی ضرورت ہے، اسی طرح دل کے اندر ایک نہر محبتِ الٰہیہ کی کھودنے کی ضرورت ہے، ایک نہر معرفت الٰہیہ کی کھودنے کی ضرورت ہے، ایک خشیت الٰہیہ کی کھودنے کی ضرورت ہے؛ تا کہ جب موت کا فرشتہ حملہ کر کے باہر کی لذتوں کو روک دیگا تب بھی دل کی لذتوں سے آپ سیراب ہوتے رہیں، اس پر کوئی روک نہیں لگا سکتا۔

اگر کوئی دل کے اندر یہ خزانے پیدا کرنے کے بجائے ظاہری اعضاء کے بنانے و سنوارنے میں لگ جائے گا تو اسے قیامت کے دن بہت افسوس ہو گا مگر وہاں افسوس کرنا کچھ کام نہ آئیگا۔

ذکر اللہ سے غافل دل مردہ ہوتا ہے

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کے شوق میں اپنے وطن سے نکلا، سفر کرتا ہوا ایک راستہ میں ایک جگہ درخت کے سایہ میں آرام کرنے لیٹا تو دیکھا کہ دو چڑیاں آپس میں بات کر رہی ہیں، اور یہ شخص چڑیوں کی بولی جانتا تھا۔

ان میں سے ایک چڑیا دوسری چڑیا سے کہہ رہی تھی کہ معلوم ہے یہ آدمی جو درخت کہ نیچے ہے، کہاں جا رہا ہے؟ دوسری چڑیا نے کہا: ہاں یہ بایزید بسطامی کے پاس جا رہا ہے، تو اس چڑیا نے کہا: ان کا تو انتقال ہوگیا، یہ شخص یہ بات سن کر پریشان ہوا، اور واپسی کا ارادہ کرلیا، پھر سوچا کہ جب نکلا ہی ہوں تو جا کر زیارت کرلوں، پھر آگے سفر جاری رکھا، اور بایزید بسطامی کے پاس پہنچا، تو دیکھا کہ وہ تو باحیات ہیں، ملاقات کی، گفت وشنید کے بعد رخصتی کے وقت کہنے لگا کہ حضرت! ایک بات پوچھنا ہے، پھر چڑیا والا سارا قصہ سنایا، بایزید بسطامی چونکے اور دریافت کیا کہ یہ کس دن اور کس وقت کا واقعہ ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں دن اور فلاں وقت کا واقعہ ہے، حضرت بایزید کہنے لگے کہ ہاں بھائی! چڑیا سچ کہہ رہی تھی، اس وقت کچھ دیر کے لئے میرا دل اللہ سے غافل ہوگیا تھا، اللہ سے دل کا غافل ہونا، دل کا مردہ ہونا ہے۔

اللہ اکبر! ہمارا حال کیا ہے، ان کا دل تو کچھ دیر کے لئے مردہ ہوا تھا، ہمارا دل ہمیشہ مردہ رہتا ہے، ہم اللہ کا ذکر ہی نہیں کرتے، عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے، اس واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہئے اور ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اور اس کا دھیان رکھنا چاہئے، تاکہ دل مردہ نہ ہو۔

حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی ایک تقریر کا خلاصہ

مجھے میرے حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ کی ایک تقریر یاد آگئی، وہ یہ کہ آپ نے ایک دفعہ ایک حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنے گھروں کو صاف کرنے کے بعد یہودیوں کی طرح اپنے صحن کو ناپاک نہ رکھو، اس لیے کہ یہودی ایسے ہی کرتے ہیں“۔ (مشکوۃ: ۳۵۸)

یہ حدیث سنا کر حضرت نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر کے حصے کو بھی ناپاک اور گندہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے اور اس کو بھی صاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو گھر کی صفائی کرنے کا تو بدرجۂ اولیٰ حکم ہوگا، اور جب گھر کی صفائی کا حکم ہے تو ہمارے کپڑوں کو صاف کرنے کا تو اس سے زیادہ حکم ہوگا، اس لیے کہ گھر تو ہم کو لگا ہوا نہیں رہتا، کپڑے تو ہمارے جسم سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب کپڑوں کی صفائی کا حکم ہے تو وہ جسم جس کے لیے کپڑے ہیں وہ کیوں پاک نہیں ہونے چاہئیں؟ وہ تو اس سے زیادہ پاک ہونے چاہئیں اور جب ظاہری جسم کو پاک کرنے کا حکم ہے تو اس جسم کا جو اصل ہے یعنی اندورن و باطن جس کو قلب کہتے ہیں، اس کی صفائی تو سب سے زیادہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ قلب اصل ہے، ظاہری جسم اس کی سواری کی طرح ہے تو جب ظاہری جسم ہی کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے تو اندر والے کو کیوں حکم نہیں ہوگا کہ وہ پاک وصاف رہے۔

جیسے کار کو دھونے کا حکم ہو تو اندر کار میں بیٹھنے والے صاحب کیا پاخانہ سے ملوث رہیں گے؟ بھائیو! جب ہم کار کے بارے میں چاہتے ہیں کہ اس کی ویل بھی پاک ہو اور اس کا اوپر والا حصہ بھی صاف ہو، پیچھے کیچڑ نہ لگا ہو، سامنے کچھ نہ لگا ہو،

دھول نہ لگی ہوتو کیا ہم کار کے اندر ایسے شخص کو بٹھانا گوارا کریں گے جو ایک گندے نالے میں ڈوبا ہوا ہو؟ کیا کوئی اس کو سیدھے لا کر سیٹ پر بٹھا دے تو ہم گوارا کریں گے؟ نہیں، اسی طرح جسم تو ہو صاف مگر دل ہو گندہ تو اللہ کو یہ کیسے پسند آئے گا؟

جب اوپر کے حصہ کو اتنا صاف کر رہے ہیں تو اندر بیٹھنے والا تو سب سے زیادہ صاف ہونا چاہئے۔ جب ہمارے جسم کو ہم صاف کر رہے ہیں جو کہ کار کے مانند ہے تو اندر جو کار میں بیٹھنے والا ہے، یعنی دل وہ تو اس سے زیادہ پاک وصاف ہونا چاہئے۔

انسانوں کے قلوب میں سختی و نرمی

اسباب۔۔۔نسخے

آپ کے سامنے دل کو بنانے کی ضرورت اور اہمیت وفضیلت آ چکی، اب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ انسان کے دل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک دل وہ ہوتے ہیں جن کے اندر نرمی ہوتی ہے، اور اسی نرمی کے نتیجہ میں انسان کے دل کے اندر اچھائیوں کو بویا جاسکتا ہے، اچھی چیزیں اس میں داخل کی جاسکتی ہیں اور پھر جب اچھی چیز بوئی جاسکتی ہے، داخل کی جاسکتی ہے تو اس میں سے اچھی چیزیں اگ بھی سکتی ہیں اور باہر نکل بھی سکتی ہیں اور دوسروں کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہیں۔

دوسرے وہ قلوب ہیں جن کے اندر سختی ہوتی ہے، جیسے کے پتھر میں سختی ہوتی ہے، ایسے دلوں کے اندر نہ کوئی اچھی چیز گھس سکتی ہے، نہ اسمیں کوئی اچھی چیز بوئی جاسکتی ہے، نہ اگائی جاسکتی ہے نہ کوئی اچھی چیز اس سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ دو قسم کے دل ہوتے ہیں انسانوں کے، جو دل نرمی والے ہوتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں، محبوب ہوتے ہیں، وہ اللہ کے مقرب ہوتے ہیں اور جو قلوب سختی والے ہوتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتے ہیں، ملعون ہوتے ہیں، مقہور ہوتے ہیں۔

آپ قرآن وحدیث کے نصوص میں غور وفکر کرینگے تو ان دونوں قسم کے قلوب کا آپ کو اندازہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِذَالِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِأَوْأَشَدُّ قَسْوَةً﴾
(اس کے بعد پھر تمہارے دل سخت ہوگئے، پس وہ ایسے ہیں جیسے کہ پتھر یا پتھر سے بھی زیادہ سخت) [البقرة: ۷۴]

حقائق کو بتانے کے بعد، معجزات اور قدرت کے عظیم مظاہر کو پیش کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے دل پھر سخت ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دلوں میں سے بعض دل وہ ہوتے ہیں جن میں سختی ہوتی ہے، وہ پتھر کی طرح ہوتے ہیں اور ان کے اندر کوئی اچھائی داخل نہیں ہوسکتی، جیسے پتھر کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی۔ ایک حدیث سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

وہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو مجھے ہدایت اور علم دیکر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے خوب بارش ہو جو زمین پر پڑے۔ پس اس میں سے ایک زمین نقی و پاکیزہ تھی جس نے پانی کو قبول کیا اور اس سے گھانس وغیرہ اگ آئی ہے، اور ایک زمین بنجر تھی جس نے پانی کو روک رکھا، پس اللہ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا کہ اس سے انہوں نے خود پانی پیا اور دوسروں کو پلایا اور کھیتی کی، اور ایک ایسی زمین پر بھی یہ پانی پڑا جو محض چٹیل تھی، جو نہ تو پانی کو روک کر جمع کرسکتی تھی اور نہ کوئی چیز اگا سکتی تھی، آپ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے اس کی جو دین کی سمجھ پیدا کرتا ہے اور علم حاصل کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے اور اس کی مثال ہے جو اس علم کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور اس ھدایت کو جس کو دیکر اللہ نے مجھے بھیجا ہے قبول نہیں کرتا۔

(بخاری: ۷۹، مسلم: ۶۰۹۳)

اس حدیث میں تین قسم کی زمینوں کو بیان کر کے تین قسم کے دلوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔یعنی ایک دل وہ ہوتے ہیں جونرم وگداز ہوتے ہیں جب پانی پڑتا ہے تو فوراًاندر جذب ہوجاتا ہے، جذب ہونے کے بعداس کے اندر بڑی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے ،زرخیزی پیدا ہوجاتی ہے،اس کے اندر اگانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ،ایک زمانہ آئے گا کہ چیزیں اگیں گی اور مخلوق کواس سے فائدہ پہنچتا رہے گا۔

اسی طرح دل بھی علم وھدایت اور نیکیوں خوبیوں کو جذب کر لیتے ہیں اور ان سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسرے وہ دل جو علم وھدایت اور خوبیوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ؛ بلکہ صرف اوپر اوپر سے سن لیتے ہیں ، یہ بھی اس قدر برے نہیں ، کیونکہ ان سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ سنی ہوئی باتیں کبھی دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں اوراس سے لوگ فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

اور تیسرے وہ دل ہیں جو سخت ہونے کی وجہ سے پتھر جیسے ہیں اوران میں نہ تو پانی قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ کچھ اگانے کی ، یہ اللہ کا پیغام ھدایت اور علم آتا ہے تو قبول کرنا تو دور کی بات ہے اس کو دیکھنا اوراس کی جانب نظر کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اب سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے دل کیسے ہیں؟ ہمارے دلوں کا حال کیا ہے؟ آج عام طور پر دلوں کا حال یہ ہے کہ دلوں کے اندر سختی پیدا ہوگئی ہے، اتنی سختی کہ قرآن سنتے ہیں اثر نہیں ہوتا،حدیث سے اثر نہیں ہوتا،اللہ کی بات آتی ہے اثر نہیں ہوتا،قرآن کا حکم آتا ہے ،اثر نہیں ہوتا،اللہ کے نبی کا فرمان آتا ہے اثر نہیں ہوتا،اثر تو کیا ہوتا اس قدر وہ ان کے نزدیک بے اثر ہوتے ہیں کہ اس کو سن کر اپنے دل ودماغ سے نکالنے کی فکر کرتے ہیں،اسے پھینکنے کی فکر کرتے ہیں،سننا تک گوارہ نہیں ہوتا۔

قساوت قلب کبیرہ گناہ ہے

قساوت قلب اسی لئے اس قدر بری و بدتر چیز ہے کہ اس کی وجہ سے انسان خدا ہی سے دور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ دل کی سختی گناہ کبیرہ میں سے ہے، اور اس پر ایک حدیث سے دلیل لی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”اطلبُوا المعروفَ من رُحَمَاء أمَّتِي ، تعيشُوا في أكنافِهِمُ ، ولا تطلُبُوه منَ القاسِيَةِ قُلُوبُهم فَإنَّ اللعنةَ تَنزِل عَلَيهِمُ“

(نیکی، بھلائی تو میری امت کے رحم دل لوگوں سے حاصل کرو اس طرح کہ ان کی چوکھٹ پر جا کر پڑ جاؤ اور ہاں اس نیکی کو سخت دل لوگوں سے طلب نہ کرو ان پر تو خود لعنت برستی ہے) (الزواجر عن اقتراف الکبائر: ۱/۲۰۲)

اور ابن حجر مکی ہی نے امام خرائطی کے حوالے سے ایک اور حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: ” **فإنهم ينتظرون سخطي**“ (یہ سخت دل لوگ میرے غضب کا انتظار کر رہے ہیں)

(الزواجر عن اقتراف الکبائر: ۱/۲۰۲)

قساوت شقاوت کی دلیل

ایک اور حدیث سے قساوت کی برائی کا اندازہ کیجئے کہ اس میں قساوت کو شقاوت یعنی بدبختی کی علامت کہا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أربعةٌ من الشَّقَاء : جُمودُ العَينِ ، وَقَسَاءُ القَلبِ ، وَ طُولُ الأَمَل ، وَالْحِرصُ عَلى الدُّنيَا '' (چار چیزیں شقاوت یعنی بدبختی میں سے ہیں: ایک آنکھوں کا جمود یعنی نہ بہنا، دوسرے دل کی سختی، تیسرے لمبی آرزو اور چوتھے دنیا کی حرص)

(مسند البزار : ۶۴۴۲، حلیة الاولیاء : ۶/۱۷۵)

اور یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں سخت دل والے کو اللہ سے سب سے زیادہ دور قرار دیا گیا ہے، امام ترمذی وغیرہ حضرات نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''وإن أبعد الناس من الله القلب القاسي'' (لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جو سخت ہو)

(ترمذی: ۲۴۱۱، الدعاء للطبرانی: ۲/۵۶، الاحکام الشرعیة: ۳/۲۸۴، جامع الاصول: ۱۱/۷۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ سخت دلی کس قدر بری و ناپاک چیز ہے کہ سخت دل انسان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالی سے دور ہے۔

اللہ کے نبی نے سخت دلی سے پناہ مانگی ہے

یہاں تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قساوت قلبی سے پناہ مانگی ہے، احادیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اپنی دعا میں یہ بھی کہتے تھے: '' اللّٰهم أني أعوذ بک من قلبٍ لا یخشع '' (اے اللہ! میں ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو)

(نسائی: ۵۴۵۸، ترمذی: ۳۴۸۲)

غور کیجیے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قساوت و سختی والے دل سے پناہ مانگ رہے ہیں، تو یہ چیز کس قدر بری ہوگی؟

دلوں میں سختی کے اسباب

سوال یہ کہ ہمارے دلوں میں سختی کیوں آتی ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس کی کئی وجوہات ہیں؛ لیکن ان سب میں بنیادی وجوہات جن کی طرف توجہ دینے سے دیگر وجوہات خود ہی ختم ہوجاتی ہیں وہ تین بڑی باتیں ہیں جن کی وجہ سے قلوب میں سختی پیدا ہوتی ہے اور دل پتھر بن جاتے ہیں۔

(۱) دنیا کی محبت (۲) آخرت سے غفلت (۳) گناہوں کی کثرت

یہ تین اسباب ہیں جن میں پھنستے پھنستے انسان قسی القلب (سخت دل) ہوجاتا ہے۔

پہلا سبب: دنیا کی محبت

اب آیئے ان اسباب پر ذرا غور کریں پہلا سبب دنیا کی محبت ہے، جب انسان دنیا کی عورتوں کی محبت میں، دنیا کے مال کی محبت میں، دنیا کی اشیاء کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا دل سخت ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ دنیا سخت چیز ہے اور دنیا کی یہ سختی انسان کے دل میں آجاتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے تعلق پیدا کرتا ہے، اس چیز کے اثرات اور آثار دلوں پر اور نفوس پر مرتب ہوتے ہیں: لہذا دنیا ہے قسی اور دنیا کی قساوت کا کیا کہنا؟ کبھی یہ دنیا اپنے بنانے والے کے پاس نہیں رہتی، ایک آدمی بڑی محنت کرتا ہے، جماتا ہے، کماتا ہے، بڑا مجاہدہ کرتا ہے، بلڈنگیں بناتا ہے، سب کچھ تیار ہونے کے بعد اس کے جانے کا نمبر آجاتا ہے، جب وہ جانے لگتا ہے تو دنیا کہتی ہے میں تو کسی اور کی ہوں تیرے

ساتھ آنے کی نہیں۔

دیکھئے! کتنی قساوت ہے دنیا کے اندر، اگر کچھ بھی نرم دلی ہوتی تو کم ازکم کمانے والے کے ساتھ تو ضرور چلی جاتی؛ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ جو اسے لینے کے لئے اس کے پیچھے جاتا ہے وہ اس کے ہاتھ لگنے میں بہت دیر لگاتی ہے جلدی نہیں ملتی ، بڑے مجاہدات کے بعد، بہت ستانے کے بعد، بہت پریشان کرنے کے بعد ایک آدمی کو ملتی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا مزاج سختی کا ہے، اس کے اندر نرمی نہیں ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا جبکہ ان کو بھوپال کے ایک رئیس نے کچھ مال لا کر دیا، حضرت نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کے واسطے تم اسے واپس لے جاؤ، تو اس رئیس نے حضرت کی جوتیوں میں وہ مال ڈال دیا، حضرت جوتے پہننے کے لئے آئے تو دیکھا کہ جوتیوں میں پیسے بھرے ہیں، حضرت نے اپنے انگوٹھے سے اس کو نیچے ڈال دیا اور اس کے بعد ایک جملہ فرمایا کہ:

''یہ دنیا بھی عجیب ہے جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے یہ اس سے بھاگتی ہے اور ہم اس سے بھاگتے ہیں تو یہ ہمارے پیچھے آتی ہے''۔

تو دنیا والے جب اس کے پیچھے بھاگتے ہیں تو یہ ان کو ملتی نہیں، ان سے بھاگتی رہتی ہے۔ یہ دنیا کی سختی کی علامت ہے، جب یہ اپنے مزاج میں سختی رکھتی ہے تو جو آدمی اس سے محبت کرے گا اس کا دل بھی سخت ہو جائیگا؛ اس لئے کہ صحبت کی تاثیر تو معروف چیز ہے۔

سودخور کے دل کی سختی

دنیا کی سختی دنیا سے محبت کرنے والے کے دل میں آنے کی ایک مشاہداتی دلیل یہ ہے کہ سودخور دنیا سے بڑی محبت کرتا ہے؛ لیکن دنیا میں اس سے زیادہ **قسی القلب** بھی کوئی نہیں، سودخور دنیا سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اسی محبت سے، اسی پیار سے پیسے بناتا ہے، پیسہ دیتا ہے اور پیسہ سے پیسہ وصول کرتا ہے؛ اسی کو سود کہتے ہیں، شریعت اس کو حرام کہتی ہے۔

جب اس طرح وہ پیسے کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ جب ایک مجبور آدمی، پریشان آدمی، بھوکا پیاسا آدمی، بچے اس کے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے ہیں، بلبلا رہے ہیں، ایسا کوئی آدمی اس سے آ کر کہتا ہے کہ بھائی میں پریشان ہوں، میرے اوپر مصیبتیں آگئی ہیں اور میں کئی دن سے کھانا نہیں کھایا ہوں، میرے بچے کئی دن سے فاقہ میں مبتلا ہیں، میری بیوی کا یہ حال ہے، میرے بچوں کا یہ حال ہے، کچھ اللہ کے لئے رحم کرو اور مجھے قرض کی ضرورت ہے؛ اس لئے تم مجھے دو تین ہزار قرض دیدو۔

تو وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے تم یہ قرض لیجاؤ اور تم اس سے پلویا مرو؛ لیکن مجھے بہر حال اتنے ہزار روپئے واپس چاہئے اور اس سے زیادہ اتنا ملا کر بھی دینا چاہئے، یہی تو ہوتا ہے سودخور کے یہاں، تین ہزار روپے دیا اور تین ہزار پر کچھ مزید رقم وصول کرتا ہے۔

اب وہ آدمی اس کو لے گیا، لے جانے کے بعد پتہ نہیں کہ کیا حالات پیش آئے؛ لیکن بہر حال اسے تین ہزار روپے دینا ہے اور اس کے ساتھ مزید دینا ہے، وہ بالکل

معاف نہیں اور پھر اگر اس نے ایک مہینہ کی مدت پوری کرنے کے بعد اس کو ادا نہیں کیا تو وہ کہتا ہے کہ اس میں مزید اتنے ملا کر دینا ہے اور پھر ایک مہینہ کی تاخیر ہوگئی تو اور اضافہ کر کے دینا ہے۔

اس کو حرام قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾

(اے ایمان والو! تم سود در سود نہ کھایا کرو﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

اس سے اندازہ ہوا کہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہمیشہ **قسی القلب** ہوتا ہے اور اس کے اندر کا دل بہت سخت، پتھر کی سل کی طرح ہوجاتا ہے۔ وہ محتاجوں اور غریبوں، مسکینوں اور یتیموں سے کوئی ہمدردی وغمخواری کا جذبہ نہیں رکھتا، بلکہ ان کی یتیمی، ومسکینی وفقیری ومحتاجی کا استحصال کرتا اور اپنا الو سیدھا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت کا شکار وگرفتار **قسی القلب** وسخت دل وسخت مزاج ہوتا ہے، کیونکہ دنیا کی سختی کا اس پر اثر ہوجاتا ہے۔

دوسرا سبب: آخرت سے غفلت

دل کی سختی آخرت سے غفلت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، اور دراصل آخرت سے غفلت دنیا سے محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، ایک سبب ہے اور ایک مسبب، جب پہلی بات پائی جائیگی تو دوسری بات خود بخود ہی آجائیگی؛ اس لئے کہ جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے وہ یقیناً آخرت سے غافل ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ دو چیزیں یعنی دنیا اور آخرت ان کے بارے میں حضرت وھب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

"مَثَلُ الدُّنيَا والآخِرَة كَمَثَل رَجُلٍ له ضَرَّتَان اِن أرضٰى اِحدَاهُمَا أسخَطَ الأُخرٰى" (الزهد لابن المبارک: رقم: ۵۹۴)

(دنیاوآخرت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کی دوسوکنیں یعنی دو بیویاں ہوں ، کہ ایک کوراضی کرتا ہے تو دوسری ناراض ہوجاتی ہے۔)

ایک حدیث میں آتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :" مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهٖ وَ مَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهٗ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ ، فَآثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى"(جس نے اپنی دنیا سے جی لگالیا اس نے اپنی آخرت کا نقصان کیا اور جس نے اپنی آخرت سے جی لگالیا اس نے اپنی دنیا کا نقصان کیا ،لہٰذا تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی چیز پر ترجیح دو)

(مسند احمد: ۴۱۲/۴ ،مستدرک : ۳۴۳/۴، شعب الایمان : ۲۸۸/۷)

الغرض دنیاوآخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں ،لہذا آخرت کا تذکرہ اورآخرت کی یادانسان کے لئے انتہائی لازمی اورضروری ہے؛ اسی لئے قرآن میں اورحدیث میں اس کا تفصیلی اور بار بار ذکر کیا گیا ہے تا کہ آخرت سے کوئی آدمی غافل نہ ہو،اور دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہوجائے۔

کیونکہ آخرت سے غفلت کی وجہ سے بھی انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے اوراگر آخرت کو یاد کرے گا تو اسے کبھی قبر یاد آئے ،اور کبھی موت یاد آجائے ،موت کی سختیاں اس کو یاد آئیں ،موت کے حالات اس کو یاد آئیں ،آخرت کے حالات اس کو یاد آئیں ،قبر میں ہونے والے سوال وجواب کا قصہ اسے یاد آئے ، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی بات اس کو یاد آئے ،ترازو میں اعمال کے تولنے کا مسئلہ اس کو یاد آئے۔

یہ ساری باتیں یاد آئیں گی تو دل کے اندرسختی کہاں باقی رہتی ہے؟ اس لئے جولوگ ان چیزوں کو بالکل یادنہیں کرتے ،کبھی بھول کربھی آخرت کا کوئی تذکرہ نہیں

کرتے ان کے دل انتہائی سخت ہوجاتے ہیں اور سختی تو ان کو یہاں تک پہنچاتی ہے کہ آپ آیات ان کے سامنے پڑھیں اثر نہیں، قرآن ان کے سامنے پڑھیں اثر نہیں، حدیث پڑھیں اثر نہیں، بزرگوں کی باتیں بتائیں تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔

تیسرا سبب: گناہوں کی کثرت

دل کی سختی گناہوں کی کثرت کا نتیجہ بھی ہوتی ہے، اور گناہوں کی کثرت آخرت سے غفلت کا نتیجہ ہوتا ہے، جب دنیا کی محبت آئی تو اس سے پیدا ہوئی آخرت سے غفلت اور جب آخرت سے غفلت آئی تو اس سے پیدا ہوئی گناہوں کی کثرت، اس لئے کہ جسے آخرت ہی یاد نہیں ہے، وہ گناہوں سے کیوں بچے گا؟ اب گناہ کرتا جا رہا ہے، لوگوں پر ظلم بھی کر رہا ہے، مال بھی گھسوٹ رہا ہے، لوگوں کی املاک کو قبضہ میں لا رہا ہے اور کسی آدمی پر ظلم کرتے ہوئے قتل بھی کر رہا ہے، کسی کو مار رہا ہے، کسی کو جلا کے خاک بنا رہا ہے، کسی کو گالی دیتا ہے، کسی کے دل کو ٹھیس پہنچاتا ہے، کسی کی غیبتیں کرتا رہتا ہے، اور اس طرح ہزاروں قسم کے گناہوں میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے؛ اس لئے کہ اس کے دل کی سختی اتنی زیادہ ہے کہ نرمی اس کے اندر آتی ہی نہیں، اس طرح یہ ساری چیزیں اس کے دل کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہیں۔

اور پھر یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ جب کوئی آدمی گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو ایک گناہ سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا شروع ہوجاتا ہے، گویا کہ ایک سلسلہ پیدا ہوجاتا ہے، اس طرح جب یکے بعد دیگرے گناہ کرتے کرتے دلوں میں سختی پیدا ہوجاتی ہے تو اب جناب سوچ لیجئے کہ اس کے دل کا کیا حال ہوگا؟ ایک تو دنیا کی محبت، اس نے پیدا کی سختی، دوسرے آخرت سے غفلت، اس نے پیدا کی سختی، تیسرے گناہوں کی کثرت، اس نے پیدا کی سختی۔ یہ تینوں جمع ہوکر اس کے دل کا کیا حال بناتے ہونگے؟

اس لئے جوآدمی چاہتا ہے کہ میرے دل کے اندرنرمی پیدا ہو تو اسے ان تینوں چیزوں سے سب سے پہلے پرہیز کرنا چاہئے ۔دنیا کی محبت کواپنے دل سے نکالنا چاہئے، آخرت کی فکر پیدا کرنا چاہئے، گناہوں کوچھوڑنا چاہئے، اس لئے کہ اگر یہ چیزیں جاری رہیں تو دل میں سختی بڑھتی ہی چلی جائیگی۔

اس لئے ان تینوں چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہئے، جب ان تینوں سے بچ جائیگا تو دل کونرم کرنے کے لئے ایک آیت بھی اس کے سامنے پڑھنا کافی ہوجائیگا۔

گناہ دل کوزنگ آلود بنادیتے ہیں

جس دل پر ہمارے گناہوں کا اثر ہوتا ہے، وہ کالا اورزنگ آلود ہوجاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل کے اوپر ایک دھبہ لگتا ہے، اگر وہ توبہ کرتا ہے سچے پکے دل کے ساتھ، تو وہ صاف ہوجاتا ہے، لیکن اگراس نے توبہ نہیں کی اور گناہ پر گناہ کرتا رہا تو اس کے وہ داغ، دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ پورادل کالا ہوجاتا ہے۔ یہ فرما کرآپ نے کہا کہ قرآن میں اللہ نے اسی کا ذکراس آیت میں کیا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (ہرگزنہیں، ان کے دلوں پرزنگ لگ گیا ہے) (ترمذی: ۳۳۹۰)

دیکھئے، اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف بتایا ہے کہ دل پر گناہ کا اثر ہوتا ہے کہ وہ زنگ کی وجہ سے کالا ہوجاتا ہے۔اگرفوراتوبہ کرلیا تو وہ زنگ دور ہوجاتا ہے ورنہ وہ بڑھتے بڑھتے سارے دل کو کالا و زنگ آلود کردیتا ہے، جس کے نتیجے میں دل سخت ہوجاتا ہے۔

دلوں پر دو قسم کے حملے

دل اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم اور بے بہا نعمت ہے اور بہت ساری خوبیوں اور کمالات کا جامع ہے، اور جو چیز کمال والی ہوتی ہے اس کے دشمن بھی ہوتے ہیں، اور وہ دشمن اس پر حملہ بھی کرتے رہتے ہیں، اس وجہ سے دل کے اوپر بھی اس کے دشمنوں کی جانب سے حملہ ہوتا رہتا ہے اور انسانی قلب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت جلد متأثر ہو جاتا ہے، اس لئے قلب پر ہونے والے حملوں کو جاننا و سمجھنا لازمی و ضروری ہے۔ تا کہ ہم دل کو محفوظ رکھ سکیں۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

" ان هذا القَلْبَ كَرِيْشَةٍ بِفَلاةٍ مِنَ الْاَرْضِ يُقِيْمُهَا الرِّيْحُ ظَهْراً لِبَطْنٍ "

(بلاشبہ یہ دل ایک پَر کی طرح ہے جو ایک کھلے میدان میں پڑا ہوا ہو اور جس کو ہوا الٹا سیدھا گھماتی پھراتی رہتی ہو)

(مسند احمد:۱۹۷۵۷ ، شعب الایمان : ۱/۴۷۴)

اب سنئے کہ علماء لکھتے ہیں کہ دل پر جو حملے ہوتے ہیں وہ دو قسم کے حملے ہیں:
(۱) ایک شہوات کا حملہ ہوتا ہے (۲) اور دوسرے شبہات کا حملہ ہوتا ہے۔

دل پر شبہات کا حملہ

شبہات کا مطلب یہ ہے کہ مختلف قسم کے ایسے خیالات اور وسوسے جس کی وجہ سے دل میں اسلام اور ایمان، دینی حقائق اور اسلامی عقائد کے بارے میں انسان

متشکک ہو جائے اور شک وشبہ میں مبتلا ہو جائے۔

یہ شبہات کا حملہ بہت سخت ترین حملہ ہوتا ہے،، جس کی وجہ اس کے دل کی کائنات بگڑ جاتی ہے، دل کی دنیا خطرے میں پڑ جاتی ہے؛ یہاں تک کہ اس کا ایمان ضائع ہو کر وہ کافر بن جاتا ہے۔

جہاں تک مسئلہ ہے شبہات کا اس وقت میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا؛ اس لئے کہ الحمدللہ یہاں پر بیٹھے ہوئے سبھی حضرات دین کے بارے میں کسی بھی شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہیں، دین کے اوپر ان کو استحکام ہے، دین کی باتوں پر ان کو یقین ہے۔ موقعہ ہوگا اور ضرورت ہوگی تو کسی وقت اس پر بھی تفصیلی کلام کروں گا۔

دل پر شہوات کا حملہ

اب لیجئے دل پر ہونے والے دوسرے حملے کو، اور وہ شہوات کا حملہ ہے، شہوات کے معنی ہیں خواہشات ولذات، یہ شہوات اور خواہشات کا حملہ جب انسان کے دل پر ہوتا ہے تو دل پر اس حملہ کی وجہ سے اس کے بہت سارے اعضاء متأثر ہوتے ہیں، صرف ایک جگہ اس کا اثر نہیں ہوتا؛ بلکہ بہت سارے اعضاء پر اس کا اثر ہوتا ہے آنکھ پر اس کا اثر، زبان پر اس کا اثر، کانوں پر اس کا اثر، ہاتھ پیر پر اس کا اثر، پیٹ پر اس کا اثر، فرج اور شرمگاہ پر اس کا اثر۔

غرض یہ کہ اوپر سے نیچے تک انسانی جسم کے سارے اعضاء پر شہوتوں کے اس حملہ کی وجہ سے تأثر پیدا ہوتا ہے، یہ عام طور پر تو ہم جانتے ہیں، سمجھ سکتے ہیں کہ کبھی کبھی یہ شہوتیں اس قدر آگے بڑھتی ہیں اور انسان ان میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ انسان کو یہ کفر میں بھی پھنسا دیتی ہیں۔ مال کی خواہش، عورت کی خواہش، سامان

کی خواہش، ان خواہشوں سے کبھی انسان اپنا ایمان بھی کھو بیٹھتا ہے۔

غور کریں کہ شہوات کا حملہ کس قدر سخت ہوتا ہے اور اس کے سلسلہ میں کس قسم کی شہوتیں انسان میں پیدا ہوتی ہیں؟ آج کل جو ماحول ہے، اس ماحول کے لحاظ سے شہوات کے حملے کو سمجھنا بہت ضروری ہے، ایک طویل زمانہ ایسا گذر گیا کہ اس کے اندر آجکل کی طرح شہوات کا حملہ کرنے والے اس قدر زیادہ اسباب نہیں تھے، تھے تو بہت کم تھے؛ لیکن اس زمانہ کے اندر شہوات پر حملہ کرنے کے جو اسباب ہیں، وہ اس قدر کثیر ہوگئے ہیں کہ جہاں تک آپ نگاہ ڈالتے جائیں گے وہاں وہاں تک آپ کو ایسے اسباب ملیں گے۔

کوئی راستہ اس سے خالی نہیں، کوئی چیز اس سے خالی نہیں، آپ صابن خریدیں، کوئی دوا خریدیں، کوئی مٹھائی خریدیں، کوئی استعمال کی چیز خریدیں، ہر ایک پر عورت کی ننگی تصویر آپ کو ملے گی؛ لیکن آدمی بے خبری کے ساتھ ان چیزوں کو لیتا ہے، ان چیزوں پر نظر ڈالتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے دل کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور خرابی بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کہاں تک بڑھ گئی؛ اس لئے میں نے عرض کیا کہ اس زمانہ کا بہت بڑا مسئلہ، سخت ترین مسئلہ یہ ہے کہ دل پر ہونے والے اس حملے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، جس کا نام ہے شہوات کا حملہ، جو جوانوں پر بھی ہوتا ہے، بوڑھوں پر بھی اور آج کل انٹرنیٹ کی وجہ سے اور اسی طرح مختلف اس قسم کے اسباب کی وجہ سے بچوں پر بھی یہ حملہ ہوتا جارہا ہے۔ اسی بات سے اس کی شدت اور اس کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

زبان کی شہوت کے ذریعہ دل پر حملہ

جیسا کہ میں نے عرض کیا شہوات کا حملہ ایک موقعہ اور ایک عضو پر ہی نہیں ہوتا،

بلکہ اس کا حملہ بہت سے اعضاء پر ہوتا ہے، ان میں سے ایک زبان بھی ہے، جس پر شہوات کا حملہ ہوتا ہے۔

زبان کی شہوت یہ ہے کہ بولنے کا چسکا لگ جائے ،آدمی کو بولنے کی خواہش پیدا ہوگئی، اچھا بولو، برا بولو، غیبت کرو، جھوٹ بولا کرو، کسی پر الزام تراشی کیا کرو۔ غرض یہ کہ معلوم نہیں کیا کیا اس کی زبان سے نکل رہا ہے؛ مگر شوق ہے بولنے کا اور بولنے کی وجہ سے زبان کو کنٹرول نہیں ہے، بولتا چلا جا رہا ہے؛۔

اسی لئے بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ: '' **من کثر کلامه کثر سقطه** '' (جو زیادہ بولتا ہے، اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں)

لہذا جو کم بولتا ہے وہ کم غلط بولتا ہے، اور جو بالکل نہیں بولتا وہ غلط ہی نہیں بولتا۔ بولنے کی بیماری سخت ترین بیماری ہے اور اس پر انسان کو بہت کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے انہوں نے عرض کیا کہ: ''**یارسولَ الله ما النجاة** ؟ نجات کیسے حاصل ہوگی؟ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:'' **أَمْلِکْ عَلَیکَ لِسَانَکَ وَلْیَسْعَکَ بَیْتُکَ وَ ابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ** '' (اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو)

(ترمذی: ۲۵۱۷، مسند احمد: ۲۲۲۸۹، شعب الایمان: ۴/۲۲۹)

اس حدیث میں سوال کیا گیا ہے ایک صحابی کی طرف سے کہ نجات کیا ہے؟ یعنی نجات کیسے حاصل ہوگی؟

اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں فرمائیں: ایک یہ کہ

اپنی زبان پر کنٹرول رکھو، زبان پر کنٹرول رکھنا نجات کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت معاذ بن جبل سے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اس پر قابو رکھو، ان صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ! کیا زبان اتنی خطرناک چیز ہے؟ کیا اس کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟

حضوراقدس صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: "**هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ**" (لوگوں کوان کے چہروں کے بل جہنم رسید کرنے والی چیز سوائے زبان سے نکلنے والی چیزوں کے اور کیا ہے؟)

(ترمذی: ۲۶۱۶، سنن کبری للنسائی: ۲/۱۲۱، مستدرک: ۳/۲۷۴)

یعنی مطلب یہ کہ زیادہ سے زیادہ جہنم میں جانے والے لوگ اسی زبان کی شہوت کی وجہ سے جائینگے۔

اور دوسرے یہ کہا کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ اختلاط نہ ہو، خواہ مخواہ لوگوں سے میل جول نہ ہو، خواہ مخواہ ملاقاتیں نہ کی جائیں؛ اس لئے کہ جب ملاقاتیں کرینگے تو زبان کنٹرول میں کہاں رہے گی؟ ملنے کے بعد بولنا ضروری ہے، ملنے کے بعد آپ نہیں بولیں تو لوگ آپ کو احمق سمجھیں گے، اس لئے حضوراقدس صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔

تیسرے یہ فرمایا کہ اپنی خطاؤں پر رویا کرو، یہ بھی نجات کا سامان ہے، کیونکہ رونے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس طرح نجات مل جاتی ہے۔

الغرض زبان کی خواہش یہ ہے کہ انسان بولنے کا خواہش مند ہو، اور اس میں اچھے و برے کی کوئی تمیز نہ کرے۔ جھوٹ بولے، چغلی کھائے، گالی بکے، کسی کا دل

توڑے، یا غیبت کرے۔

حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کے زندگی کی ایک خاص بات

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد بہت سارے لوگوں نے مضامین لکھے، ان میں سے ایک ان کے خصوصی خادم تھے، انہوں نے ایک مضمون لکھا، اس کے اندر انھوں نے حضرت کے بہت سے فضائل خصائل ومناقب درج کیئے، جس میں ایک بات خصوصی طور سے یہ لکھی تھی کہ میں حضرت کی خدمت میں برسہابرس دن رات گذار چکا ہوں؛ لیکن کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا۔ کتنا بڑا کمال ہے؟ یہ کوئی معمولی کمال نہیں ہے کہ کسی کی غیبت زبان سے نہ ہو اور برسہابرس گذر جائیں، آدمی ہر جگہ یکساں طور پر رہے کہ کبھی غیبت ان سے سرزد نہ ہو، آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ان کا مقام ومرتبہ کیا ہوگا؟

میں نے زبان کی شہوت میں سے ایک بات ذکر کی، وہ یہ کہ انسان میں بولنے کی خواہش اور بولنے کی طلب اور جستجو پیدا ہوجائے اور اس کی وجہ سے وہ بس اچھا ہو یا برا ہو بولتا رہے، اب لیجئے ایک اور بات عرض ہے، وہ یہ کہ زبان کی شہوت کا ایک مطلب یہ ہے کہ مزے دار چیزیں کھانے پینے کیلئے وہ لپکے، نہ اچھائی کا لحاظ رکھے نہ برائی کا، وہ مزا حلال کے ذریعے آئے تو ٹھیک، حرام کے ذریعے آئے تو بھی ٹھیک۔ انسان صرف کھانے پینے اور مزے کی فکر کرتا ہے اور اسے اس بات کی تمیز بھی نہیں ہوتی کہ وہ اچھا کھا رہا ہے کہ برا کھا رہا ہے۔ یہ بھی انسان کے لئے انتہائی خطرناک ہے، شیطان دل پر حملہ کر کے اس کو آمادہ کر لیتا کہ وہ زبان کی شہوت کے ذریعہ گناہ میں مبتلا ہو، ورنہ اگر دل آمادہ نہ ہو تو زبان کے گناہ سے انسان بچ جاتا ہے۔

آنکھوں کی شہوت کے ذریعہ دل پر حملہ

شہوات کے ذریعہ حملہ جو ہوتا ہے، اس میں ایک حملہ آنکھوں کے واسطے سے ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بصیرت لوگوں نے کہا کہ: ’’ **العينُ رائدُ الشهوة** ‘‘ (آنکھ شہوت کی قاصد ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ: ’’ **العيون مصائد الشيطان** ‘‘ (آنکھیں شیطان کی شکارگاہیں ہیں)

(ادب الدنيا والدين للماوردی: ۱/۴۰۸)

اس لئے آنکھوں کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ ہمارے دل پر شیطان کا حملہ نہ ہو سکے۔

یاد رکھیں کہ آنکھیں شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو خطرناک حد تک انسان کے دل کو برباد و تباہ کر کے چھوڑ دیتا ہے۔

اسی لئے نظر کو شیطان کا قاصد کہا گیا ہے؛ کیونکہ اس کے ذریعہ شیطان انسان کو زنا و بدکاری میں مبتلا کر دیتا ہے؛ اسی لئے قرآن میں شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے نظر بچانے اور اس کو نیچے رکھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ [النور: ۳۰]

(آپ مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ بات ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، بلا شبہ اللہ تعالی ان سب باتوں سے باخبر ہیں جو وہ کرتے ہیں)

اس کے بعد والی آیت میں بعینہ یہی حکم عورتوں کو بھی دیا گیا ہے، اور ان

آیات میں ایک تو نگاہوں کو پست رکھنے کا حکم ہے اور دوسرے اس میں شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم بھی دیا گیا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ پہلا حکم ذریعہ ہے دوسرے کا، لہٰذا آنکھوں کو نیچا رکھنا شرمگاہ کی حفاظت کا وسیلہ وذریعہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

”النَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمَةٍ فَمَن تَرَكَهَا مِن خَوفِ اللّٰهِ أَثَابَهُ عَزَّ وَجَلَّ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهٖ“

(نظر ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے، پس جو شخص اللہ سے خوف کی وجہ سے اس کو ترک کر دیتا ہے اللہ عزوجل اس کو ایسے ایمان سے اس کا بدلہ عطا کرتا ہے جس کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔)

(مستدرک حاکم: ۳۴۹/۴، معجم کبیر طبرانی: ۱۸/۹)

اور حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام سے مروی ہے کہ: **ایاکم والنظرة بعد النظرة فانها تزرع في القلب الشهوة و كفى بها لصاحبها فتنة“**

(تم پہلی نظر کے بعد دوسری نظر سے بچو؛ کیونکہ وہ دل میں شہوت پیدا کرتی ہے، اور یہ بات آدمی کو فتنہ میں مبتلاء کرنے کے لئے کافی ہے)

(ادب الدنیا والدین: ۴۰۸/۱، احیاء العلوم: ۱۰۲/۳)

علامہ ابوطاہر بغدادی نے اپنی مجلس وعظ میں سنایا کہ:

عَاتَبْتُ قَلْبِيْ لَمَّا رَأَيْتُ جِسْمِيْ نَحِيْلًا
فَأَلْزَمَ الْقَلْبُ طَرْفِي وَقَالَ: كُنْتَ الرَّسُوْلَا
فَقَالَ طَرْفِيْ لِقَلْبِيْ بَلْ اَنْتَ كُنْتَ الْوَكِيْلَا

فَقُلْتُ: کُفَّا جَمِيْعاً تَرَكْتُمُوْنِيْ قَتِيْلا

(میں نے اپنے دل کو ملامت کی جب میں نے اپنے بدن کو کمزور پایا، تو دل نے آنکھ پر الزام لگایا اور کہا کہ تو ہی پیامبر تھا، پھر میری آنکھ نے دل سے کہا کہ نہیں بلکہ تو ہی ذمہ دار تھا، تو میں نے کہا کہ تم دونوں بس کرو، تم نے تو مجھے مار ہی ڈالا)

الغرض نظر سے شیطان اپنا شکار کھیلتا ہے اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہو جاتا ہے؛ اس لئے نظر کو شیطانی حربوں میں سے ایک بڑا اور اہم ذریعہ مانا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نظر شیطان کا بڑا حربہ اور انسان کو برائی میں مبتلا کرنے کا اس کا ایک عظیم ہتھیار ہے۔ لہذا اس سے بچنا ضروری ہے تا کہ قلب کی دنیا برباد نہ ہو جائے۔

کان کی شہوت کے ذریعہ دل پر حملہ

اسی طرح شہوت کا حملہ کانوں سے بھی ہوتا ہے، یعنی کان کے ذریعہ بھی شیطان دل پر حملہ آور ہوتا ہے، کیونکہ انسان کانوں سے ناجائز و غلط باتیں سننے کا خواہش مند ہوتا ہے، اور وہ کانوں سے گانے سنتا ہے، غیبتیں سنتا ہے، اللہ کی نافرمانی کی باتیں سنتا ہے۔ یہ کانوں کی خواہش ہے اور اس کی وجہ سے بھی انسان کا دل برا اور انتہائی غلط ہو جاتا ہے۔

گانے سننے کے بارے میں حدیث میں آتا ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"الغِنَا يُنبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ"

(گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے)

(ابو داود: ۴۹۲۷، سنن بیھقی: ۱۰/ ۲۲۳)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: " الغنا ينبت النفاق

في القلب كما ينبت الماء الزرع والذكر ينبت الايمان في القلب كما ينبت الماء الزرع " (گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی اگاتا ہےاور ذکر دل میں ایمان کو بڑھاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو بڑھاتا ہے)

(سنن بیھقی: ۱۰/۲۲۳)

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ گانا سننا بعض لوگوں میں نفاق اور بعض میں عناد، بعض میں جھوٹ، بعض میں فسق و فجور، بعض میں رعونت وتکبر پیدا کرتا ہےاور اس سے زیادہ تر صورتوں کا عشق اور بے حیائی کی باتوں کی پسندیدگی پیدا ہوتی ہے۔

(اغاثة اللهفان : ۱/۲۴۸)

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے صرف اتنی بات نہیں فرمادی کہ کان سے گانے سننے پر کان خراب ہوجاتا ہے؛ بلکہ یوں فرمایا کہ دل میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے؛ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جتنے بھی اعضاء سے گناہ ہوتے ہیں، ان سارے اعضاء کے گناہوں کا اثر دل پر ہوتا ہےاور دل خراب ہوجاتا ہے؛ اس لئے کوئی ایسی بات نہ سنی جائے جس سے اللہ نے منع کردیا ہے، جیسے غیبتوں کا سننا، بہت سارے لوگوں کو غیبتیں سننے میں مزہ آتا ہے، لوگوں میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو غیبت سنا نہیں کرتے، بعض لوگ ایسے تو ہیں کہ وہ غیبت کرتے تو نہیں ؛ لیکن غیبت سن لیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں کام غیبت کرنا بھی اور غیبت سننا بھی دونوں گناہ اور غلط ہیں۔

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے بارے میں آتا ہے کہ حاجی صاحب کے یہاں کوئی آتا اور کسی کی غیبت کرتا یا کسی کی کوئی برائی بیان کرتا، تو حضرت اس کی پوری بات سنتے اور سننے کے بعد یہ فرماتے کہ بھائی ! آپ نے یہ

جتنی باتیں کہی ہیں یہ سب بس جھوٹ ہیں۔ یہ بھی ایک طریقہ تھا ان کی اصلاح کا۔

اور ایک موقعہ پر کسی نے حضرت سے آکر کہا کہ حضرت فلاں صاحب تہجد گذار ہیں؛ لیکن وہ جو تہجد پڑھتے اور ذکر کرتے ہیں وہ اصل میں آپ لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! وہ تو دکھانے کے لئے کرتے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ آپ کو وہ بھی نصیب نہیں۔

یہ بھی اصلاح کا ایک طریقہ اور ڈھنگ ہے تا کہ کوئی کسی کی غیبت کرنے کی ہمت نہ کرے۔

شہوت کا ایک حملہ بطن یعنی پیٹ کی جانب سے بھی ہوتا ہے؛ کیونکہ پیٹ بھی خواہشات کا عادی ہوتا ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے اور اسلام کی تعلیمات سب کی سب اس بات کی مؤید ہیں کہ انسان کو کم سے کم کھانے کی عادت ڈالنی چاہئے، اصول یہ ہے کہ اتنا کھایا جائے کہ انسان چل پھر سکے، اپنے کام کاج کر سکے اور اپنی ضروریات کو پوری کر سکے، یعنی یہ کہ یہ نہیں کہ حلق تک کھایا جائے۔ اور ایسا بھی نہ کرے کہ خواہ مخواہ کھانے کی عادت بنالی جائے اور اس کے لئے اچھے اچھے کھانے کی فکر ہمیشہ کی جائے، یہ فکر اچھی بات نہیں ہے، یہ شہوت بطن ہے، اور شہوتِ بطن انسان کو ہلاکت میں ڈالدیتی ہے۔

اور آج یہ شہوتِ بطن ہی تو ہے جسکی وجہ سے انسان حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر کمانے کی فکر میں لگا ہوا ہے، اس وجہ سے شہوتِ بطن بہت ہی خطرناک بیماری ہوتی ہے۔

یہ پیٹ کی خواہش بھی انسان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے، اور انسان کا دل اس کی وجہ سے خبائث ورذائل کا اڈہ بن جاتا ہے۔

ایک لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، وہ یہ کہ ایک واعظ تھے، پرانے زمانے میں، ان کی عادت تھی کہ وہ جب بھی وعظ کہتے تو ہر وعظ کے آخر میں ایک جملہ ضرور کہتے اور اسی پر ان کا وعظ ختم ہوتا، وہ کہتے تھے: ''سارا فساد مرچوں کا ہے''، ان کا بیان کبھی ہوتا سود کی برائی پر، کبھی ہوتا رشوت خوری کی لعنت پر، کبھی ہوتا بے نمازیوں پر، کبھی ہوتا شراب وزنا پر، وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ یہ نہ کرو، یہ گناہ نہ کرو، یہ حرکت نہ کرو، غرض یہ کہ وعظ کسی بھی عنوان سے ہو وہ آخر میں ضرور یہ کہتے تھے کہ سارا فساد مرچوں کا ہے۔

لوگ سن تو لیتے تھے، مگر کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ مرچوں کا کیا فساد ہے؟ اور یہ واعظ صاحب ہر وعظ کے آخر میں یہ کیوں کہتے ہیں کہ سارا فساد مرچوں کا ہے۔ ایک دن کسی نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ حضرت آپ کا سارا وعظ تو سمجھ میں آتا ہے، مگر یہ آخری جملہ سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا ہے؟

اس پر انھوں نے بڑے مزے کا اور واقعی جواب دیا، انھوں نے کہا کہ دیکھو جتنے گناہ لوگ کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کا تعلق کھانے پینے سے ہے کہ انسان خوب عمدہ عمدہ غذائیں کھاتا ہے اور انسان خوب اس وقت کھاتا ہے جب غذا مزیدار ہوتی ہے، اور غذا مزیدار اس وقت ہوتی ہے جب اس میں مصالحہ جات خوب پڑتے ہیں، اور ان مصالحہ جات میں سے سب سے اول نمبر پر مرچ ہوتی، لہٰذا مرچ سے کھانا مزیدار ہوتا ہے اور مزیدار ہوتا ہے تو لوگ خوب کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں تو اس سے قوت وطاقت بنتی ہے اور جب قوت وطاقت بنتی ہے تو خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اور اس سے انسان گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے، اس لئے میں ہر بیان ووعظ کے آخر میں یہ کہتا ہوں کہ سارا فساد مرچوں کا ہے۔

ان واعظ نے واقعی بڑی حکیمانہ بات فرمائی، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شہوت بطن کس قدر خطرناک ہے؟ اور وہ کہاں کہاں اثر انداز ہوتی ہے؟

شہوت فرج سے دل پر حملہ

آخری شہوت ہے، شہوت فرج، یعنی شرمگاہ کی خواہش، اس کو کون نہیں جانتا کہ کتنی خطرناک ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ یہ بھی انسان کے دل پر حملہ کرنے والی شہوت ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسان اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں گر جاتا ہے اور صرف اللہ ورسول ہی کی نظر میں نہیں دنیا والوں کی نظر میں بھی گر جاتا ہے۔

چنانچہ جس آدمی کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ تو شہوت کا پجاری ہے، تو اس آدمی کی کیا حیثیت ووقعت بنتی ہے، ہم سب کو معلوم ہے۔

اسی لئے ایک حدیث ضعیف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مَنْ وُقِيَ شَرَّ لَقْلَقِهٖ وَقَبْقَبِهٖ وَذَبْذَبِهٖ فَقَدْ وُقِيَ الشَّرَّ كُلَّهُ، قَالَ: أَمَّا لَقْلَقُهُ فَاللِّسَانُ وَقَبْقَبُهُ فَالْفَمُ وَذَبْذَبُهُ فَالْفَرْجُ"

(جو شخص لقلقہ اور قبقبہ اور ذبذبہ کے شر سے بچ گیا وہ تمام شرور سے بچ گیا) پھر فرمایا کہ: لقلقہ زبان ہے، قبقبہ منہ ہے اور ذبذبہ شرمگاہ ہے۔

(شعب الایمان: ۷/ ۲۹۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: **"مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ"**

(جو شخص مجھے ضمانت دے اس کے دو جبڑوں کے بیچ کی چیز اور اس کے دو پیروں کے

بیچ کی چیز کی، میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں)

(بخاری: ۶۴۷۴، مسند ابو یعلی: ۷۵۵۵، سنن بیھقی: ۱۶۶/۸)

الغرض یہ شہوت فرج بھی انسان کے دل پر اثر انداز ہوتی اوراس کو ہزاروں بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے،اس لئے اس سے بھی بہت بچنا چاہئے۔

تکبر کے ذریعہ دل پر حملہ

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار جو دل کو تباہ کرنے کے لئے شیطان استعمال کرتا ہے ،اس کا نام ہے تکبر ۔یعنی اپنے آپ کو کسی دینی یا دنیوی کمال میں بڑا سمجھنا اور دوسرں کو حقیر سمجھنا۔اور تکبر عربی لفظ ہے،اور باب تفعل سے ہے،اوراس باب کی ایک خاصیت تکلف ہے،مطلب یہ ہے کہ آدمی حقیقت میں تو بڑا نہیں ہوتا، مگر اپنے آپ کو بڑا بنا کر پیش کرتا ہے،اور بڑا سمجھتا ہے۔تکبر کی وجہ سے آدمی کا دل ناپاک ہوجاتا ہے،شیطان شیطان اسی لیے بنا کہ اس کے اندر تکبر تھا،ورنہ تو وہ بڑا عابد تھا ، بڑا زاہد تھا ،عالم تھا ،لیکن تکبر نے اسکو خاک کر دیا، یہاں تک کہ اس کو آسمانوں سے اُتار کر دنیا میں بھیج دیا بلکہ پھینک دیا گیا۔

تکبر سب سے بڑی بیماری کیوں ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ تکبر کی حقیقت دو چیزیں ہیں : ایک اپنے آپ کو بڑا سمجھنا،اوردوسرا دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ان دو چیزیں سے تکبر پیدا ہوتا ہے،اوراگر ان دو میں سے صرف ایک چیز آپ کو بڑا سمجھنے کی بات پائی جائے تو اس کا نام عُجب ہے، وہ بھی ایک برا خلق اور بڑی بیماری ہے،اور دل کی بیماریوں میں سے ایک خطرناک بیماری ہے، اگرصرف دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے، اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا تو یہ دوسرے آدمی کی توہین وتذلیل ہے، یہ بھی اسلام میں ناجائز ہے۔

اور اگر دونوں باتیں ہوں کہ خود کو سب سے اچھا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو اس کا نام تکبر ہے، معلوم ہوا تکبر کے دو جز ہیں، دونوں جمع ہوں تو بھی خراب، اور اگر الگ الگ پائے جائیں تو بھی خراب، ظاہر ہے کہ جب ان دو میں سے ہر بیماری خطرہ ہے تو دونوں کسی میں جمع ہو جائیں تو کیا اس کا خطرہ اور بڑھ نہیں جائے گا؟ اسی لئے اس کو سب سے زیادہ خطرناک بیماری کہا گیا ہے، اورام الامراض نام دیا گیا ہے۔

بڑائی اللہ ہی کو سزا وار ہے

بڑائی تو صرف اللہ تعالی ہی کو سزاوار ہے، وہی اس کا مستحق ہے کہ وہ بڑائی جتائے اور تکبر کرے، کسی بندے کو کیا حق ہے کہ وہ تکبر کرے؟ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

"الكبرياء ردائي والعظمة إزاري، فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار" (کبریائی میری چادر ہے، اور عظمت میری ازار ہے ، پس جو شخص ان میں سے کسی میں بھی میرے سے جھگڑے گا تو میں اس کو دوزخ کا عذاب چکھاؤں گا"۔

(ابوداود: ۴۰۹۰، واللفظ له ، ابن ماجه: ۴۱۷۴، مسند احمد: ۲/۴۱۴، صحيح ابن حبان: ۲/۳۵)

مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کی شان ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اس لئے کہ ساری کائنات کا ہر ذرہ اس کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری کائنات بے قدر و بے حقیقت ہے اور اللہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے، اسلئے تکبر اس کی صفت ہے اور جو اس کی صفت میں شریک ہونا چاہے، گویا وہ اللہ کی صفت میں اپنے

کوشریک کر کے شرک کرنا چاہتا ہے، اس لئے اللہ اس کو عذاب دیتے ہیں، اس لئے کہ اس کے برابر کوئی نہیں نہ ذات میں نہ ہی صفات میں۔

ریا کاری کے ذریعہ دل پر حملہ

ریا کاری بھی شیطان کا ایک بڑا ہتھیار ہے، یعنی اللہ کی اطاعت دوسروں کو دکھانے اور خوش کرنے کے لیے کرنا، مثلاً آدمی نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، لیکن ان ساری عبادتوں کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ لوگ مجھے دیکھا کریں اور مجھے واہ واہ کہیں، لوگ میرے سے خوش ہو جائیں، میری تعریف کریں، یہ نیت دل میں رکھ کر عبادت کرنے کا نام ریا کاری ہے۔

اللہ کی نظر میں اس عبادت کا کوئی اعتبار نہیں جو غیر اللہ کے لیے کی جائے، بلکہ حدیث میں اسے شرک خفی کہا گیا ہے، ایک تو شرک جلی ہے، بتوں کی پوجا کرنا، اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرنا، ذات میں یا صفات میں یا اس کے افعال میں، یہ کھلا ہوا شرک ہے، اور ریا کاری شرک خفی ہے، کتنی خطرناک بیماری ہے کہ اللہ کے نبی نے اسے شرک خفی قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ دیکھنے میں تو خدا کی عبادت ہے، لیکن دل میں غیر اللہ کی خوشنودی مقصود ہے، اس لیے یہ شرک خفی ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام بندوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی ندا دیگا کہ جس نے اللہ کی عبادت میں دوسرے کو شرک کیا تھا وہ انہیں کے پاس جائے جن کو دکھانے کے لیے نیک کام اور عبادت کرتا تھا۔

(ترمذی: ۳۱۵٤، ابن ماجہ: ٤۲۰۳، مسند احمد: ٤٦٦/۳، صحیح ابن حبان: ۱۳۰/۲، معجم کبیر: ۳۰۷/۲۲)

مطلب یہ ہے کہ ریا کاروں سے یہ کہا جائے گا کہ تمہاری عبادت و نیکی کا

ثواب بھی ان لوگوں سے لے لو اور طاعت کا صلہ بھی انہیں سے لے لو اور دیکھو کیا دیتے ہیں؟

نیز ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کا حساب وکتاب لیں گے تو عابد، عالم اور سخی کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائیگا، اور تینوں اپنے اپنے اعمال کا اظہار کریں گے، ارشاد ہوگا کہ یہ سب اعمال تم نے اس لئے کئے ہیں تاکہ لوگ تمہیں کہیں کہ فلاں شخص مجاہد ہے، فلاں شخص بڑا عالم ہے، فلاں آدمی بڑا سخی ہے اور یہ باتیں تم کو دنیا میں حاصل ہوگئیں، جس مقصد کے لیے نیک اعمال کیے تھے، وہ حاصل ہو چکا۔ لہٰذا اب یہاں کیا چاہتے ہو، جاؤ جہنم میں، اور ان کو فرشتے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیں گے۔

(مسلم: ۱۹۰۵، نسائی: ۳۱۳۷، مستدرک: ۱/۱۸۹)

معلوم ہوا کہ ریا کاری سے کیا ہوا کام اللہ کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لیے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے نیت کو خالص اللہ کے لیے کرنا چاہئے، اور دل کو اس بیماری سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

اللہ کی منع کردہ چیزوں سے دور ہو جانا بھی ہجرت ہے

بھائیو! یہ شہوت کا حملہ ان تمام طریقوں سے انسان کے اوپر ہوتا ہے اور جب ان تمام طریقوں سے ہوتا ہے تو ہم کو اندازہ کرنا چاہئے کہ ہمیں اپنے دل کو کس طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس طرح کے تمام حملوں سے ہم اپنے دل کو محفوظ رکھیں، جب ان تمام چیزوں سے آدمی دور ہو جائیگا تو یہ دور ہو جانا بھی ہجرت

کے قائم مقام ہے۔

چنانچہ حدیث پاک کے اندر آتا ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

" الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰه عَنْهُ " (مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ تمام چیزوں کو چھوڑ دے)(صحیح البخاری، رقم: ۱۰)

بھائیو! ایک ہجرت یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول کی خاطر ایک ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک چلے جانا، جیسے حضرات صحابہ کرام نے مکہ کو چھوڑا اور مدینہ میں جا کر رہنا اختیار کیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے۔

اور ایک ہجرت یہ ہے کہ جتنے گناہ و بے حیائی کی باتیں ہیں اور جتنی شہوات ہیں، ان تمام باتوں سے محض اللہ کے لئے اپنے آپ کو بچانا اور دور رکھنا۔ یہ بھی ہجرت کے اندر داخل ہے، اب ہم کو بھی ہجرت کرنا چاہیئے، جو آدمی یہ ہجرت کرے گا وہ مہاجر کہلائے گا؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اللہ کیلئے کرے دنیا کے لئے نہیں، اللہ کی رضا کے لئے دنیا کو چھوڑ دے۔

دلوں میں نرمی کیسے پیدا ہو؟

اس کے بعد ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ شہوات و لذات، گناہوں اور دنیوی محبتوں کی وجہ سے دلوں میں جو سختی پیدا ہوتی ہے اسکو دور کرنے اور قلوب کو نرم کرنے کے نسخے بھی موجود ہیں، جن کو استعمال کرنے سے دل کو نرم کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

یہاں پانچ نسخے آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں؛ تاکہ ہم ان کے ذریعہ اپنے دلوں کو نرم کریں اور قلوب کو منور کریں۔

ان میں سے قرآن پاک کی تلاوت ایک نسخہ ہے، ذکر اللہ ایک نسخہ ہے، موت کی یاد اور قبروں کی زیارت ایک نسخہ ہے، اہل بکاء کی صحبت ایک نسخہ ہے۔

اہل فقہ کے لئے رقائق کی ضرورت

ان نسخوں کا استعمال کرنا جس طرح عام لوگوں کے لئے ضروری ہے، اسی طرح فقہ پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے بھی بہت ضروری ہے؛ کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ فقہ پڑھتے پڑھتے آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے، یہ بات آپ کو بڑی تعجب خیز لگے گی؛ لیکن ہے حقیقت۔ اور یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں؛ بلکہ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' کے اندر بالکل ابتداء ہی میں لکھی ہے؛ وہ لکھتے ہیں کہ: **''التَّجَرُّدُ لَهُ عَلَى الدَّوَام يُقْسِي القَلْبَ و يَنْزِعُ الخَشْيةَ منه كما نُشاهِدُ الآنَ من المُتَجَرِّدِين له''۔** (احیاء العلوم: ۲۲/۱)

(فقہ کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاص ہو کر رہ جانا دل کو سخت کر دیتا ہے اور اس سے اللہ کا خوف وخشیت نکال دیتا ہے جیسا کہ اب ہم ان لوگوں میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس کے لئے خاص ہو کر رہ جاتے ہیں)

وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہ پڑھتے ہوئے ردوقدح بہت ہوتی ہے، جرح ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تنقید ہوتی ہے اور تحقیق کے لئے بڑے بڑے لوگوں پر تبصرے کئے جاتے ہیں اور یہ کرتے کرتے دلوں کے اندر سختی آجاتی ہے؛ اس لئے بہت ضرورت ہوتی ہے ان لوگوں کو جو فقہ کا درس لیتے ہیں کہ وہ بار بار ''کتاب الرقائق'' کا بھی مطالعہ کیا کریں۔ ''الرقائق'' وہ ابواب ہیں جن کے اندر دل کو نرم کرنے کے متعلق احادیث اور آثار اور اقوال بیان کئے جاتے ہیں، جب آدمی فقہ کے ساتھ اس کو بھی پڑھتا رہے گا تو انشاء اللہ دل نرم بھی ہوتا جائیگا۔

دل کی نرمی کا پہلا نسخہ

بہر حال دل کو نرم کرنے اور اس کی سختی کو دور کرنے کی سبھی کو ضرورت ہے، اور اس کے لئے پہلا نسخہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کیا جائے اور بالخصوص جبکہ وہ سمجھ کر ہو تو اس کا اثر اور زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں بیان کئے گئے وعدوں اور وعیدوں کو سمجھ کر پڑھے، ان پر غور کرے، اللہ کے احکام کو پیار سے پڑھے، ان میں غور کرے۔ اس میں بیان کی گئی اللہ کی صفات وکمالات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس طرح قرآن کی تلاوت ایک عجیب اثر پیدا کرتی ہے اور اس سے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ اس کا ذکر کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ

مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ [الزمر: ۲۲]

(اللہ تعالیٰ نے بہترین بات (قرآن) نازل کی جوایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، بار بار دہرائی گئی ہیں، جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا)

اس آیت میں قرآن کی تلاوت کا اثر بتایا گیا ہے کہ اس سے دل و بدن نرم ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ اللہ کے ذکر کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت میں پوری رات گزار دی

تلاوت کا یہی اثر تھا کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی قرآن پاک پڑھتے تھے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا عجیب کیف اور عجیب حال طاری ہو جاتا تھا، بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ پوری پوری رات ایک آیت تلاوت کرتے ہوئے گذار دیتے تھے، رات میں شروع کرتے اور صبح تک ایک ہی آیت پڑھتے رہتے اور اس پر غور و خوض کرتے اور اسی کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روتے بھی رہتے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اندر کھڑے ہوئے اور آیت تلاوت کرنے لگے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (اے اللہ !اگر آپ بندوں کو عذاب دینا چاہیں تو وہ آپ ہی کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف کردیں تو آپ ہی طاقت وراور حکمت والے ہیں)

[المائدة]

یہ آیت دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے قرآن مجید کے اندر ذکر کی گئی ہے، کہ اگر تو ان لوگوں کو عذاب دینا چاہے تو یہ تو تیرے بندے ہیں، تو دے سکتا ہے،کون روکنے والا ہے؟ اور اگر آپ مغفرت کرنا چاہیں، بخش دینا چاہیں تو اس کا بھی آپ کو پورا پورا اختیار ہے، اس لئے کہ آپ تو بڑے زبردست طاقت والے، قدرت والے ہیں، آپ کو کون روکنے والا ہے؟۔

یہ آیت کریمہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے جارہے تھے اور روتے جارہے تھے، حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ پوری رات اسی آیت کی تلاوت پر اللہ کے نبی نے بسر کردی۔

(سنن کبریٰ للنسائی:۱/۳۵۳،سنن ابن ماجہ: مستدرک حاکم:۱/۷ ۳۲،سنن بیہقی:۳/۱۳)

اس سے اندازہ کیجئے کہ قرآن پاک کیسا اللہ کا کلام ہے، دل کو کیسا گداز کرتا ہے، نرم کرتا ہے اور اس کے اندر کیسی نرمی اور لطافت پیدا کردیتا ہے۔

ایک تو اللہ کے نبی کا قلب اطہر ویسے ہی نرم اور گداز تھا، جن کا جسم بھی نرم اور گداز ہو، ان کے دل کا کیا حال ہوگا؟

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اتنے نرم اور گداز تھے کہ صحابہ کہتے تھے کہ جب ہم مصافحہ کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئی کے گولوں میں ہم نے ہاتھ رکھ دیا ہو۔

(صحیح بخاری: رقم/۱۹۷۳، مسلم/۶۱۹۹)

ایسے ہی اللہ کے نبی ﷺ کا پورا جسم نرم تھا، جن کے جسم میں یہ نرمی ہو تو اس کے دل کی نرمی کا حال کیا ہوگا؟

اس لئے کہ عام طور پر ایسا ہے کہ دل سخت ہوتے ہیں اور جب جسم نرم ہوتے ہوئے بھی دلوں میں سختی ہوتی ہے تو جس کا جسم بھی نرم ہے تو اس کے دل کے عالم کو سوچنا چاہئے۔

تو بہر حال اللہ کے نبی ﷺ سے ایسی بہت سی روایتیں مروی ہیں کہ اللہ کے نبی قرآن پڑھ رہے ہیں، روتے چلے جا رہے ہیں، دل کی نرمی کا عجیب وغریب حال لوگوں کے سامنے آتا جا رہا ہے۔

قرآن نے آپ ﷺ کو رلایا:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ابن مسعود! تم قرآن پڑھ کر مجھ کو سناؤ، میں تم سے قرآن سننا چاہتا ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے، میں آپ کے سامنے کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ جس پر خود قرآن نازل ہوا اس کو میں پڑھ کر سناؤں؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم پڑھو اور میں سنوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن پاک کی سورت ''سورۃ النساء'' پڑھنی شروع کر دی اور پڑھتا جا رہا تھا، پڑھتا جا رہا تھا، بہت دیر پڑھنے کے بعد میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا کہ کیا حکم ہے، مزید پڑھنے کا یا رک جانے کا، کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ

کودیکھاتو آپ زاروقطار رورہے تھے۔

(صحيح البخاري: ۴۵۸۲،ترمذی: ۳۰۲۵،سنن کبری نسائی: ۸/۱۳۸)

اب بتایئے کہ یہ اللہ کے کلام کی برکت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اللہ کے کلام کی تاثیر نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ دلوں میں ایسا اثر کرتا تھا کہ جب پڑھنے والا پڑھتا تھا تو پڑھنے والے پر بھی اور جو سنتے تھے ،ان پر بھی دونوں پراس کا اثر مرتب ہوتا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے کافر لوگ جن کے دلوں کی سختی خدا کی قسم ! پتھروں سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی،لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن ان کے سامنے پڑھتے تھے تو ان کے دل بھی ایسے نرم ہوجاتے تھے جیسے کہ موم ہو۔

حدیث کا ایک واقعہ یاد آیا کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ يَآَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ، اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴾ [الحج : ۱-۲]

(کہ اے لوگو!اپنے رب سے ڈرکرزندگی گذارو؛ کیونکہ قیامت کا زلزلہ بڑاخطرناک وحشت ناک ہوگا،اس دن آپ دیکھیں گے کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیگی اور کوئی عورت اگر حاملہ ہوگی تو وضع حمل ہوجائیگا،اور لوگوں کو تم نشہ کی حالت میں دیکھیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے ؛اس لئے کہ اللہ کا عذاب بڑا دردناک عذاب ہے)۔

جب یہ آیتیں نازل ہوئی تو اللہ کے نبی ﷺ سفر میں تھے، سفر کے موقعہ پر یہ آیتیں، اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضرات صحابہ ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اور آرام کرنے کے لئے سایہ دار درختوں کے سایہ میں جا کر منتشر ہو گئے تھے، کوئی اس درخت کے پیچھے کوئی اس درخت کی آڑ میں، تمام صحابہ متفرق ہیں منتشر ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ پر یہ آیتیں نازل ہو گئیں، جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو اللہ کے نبی ﷺ نے سب کو جمع فرمایا، سارے صحابہ جمع ہو گئے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! اس وقت میرے اوپر ابھی چند آیتیں نازل ہوئیں ہیں، میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں، پھر اس کے بعد یہ آیتیں پڑھ کے سنانے لگے۔

(سنن کبری نسائی: ١٠٧/٢، مستدرک: ٤٧/٣، مسند أحمد: ١٩٩٠١، معجم کبیر طبرانی: ٥٤٦)

اب اس کی خطرناکی کا اندازہ کرو کہ ماں اپنے بچے کو کبھی بھولتی نہیں، وہ اپنے کو بھلا دیتی ہے، اپنی نیند کو قربان کر دیتی ہے؛ لیکن کبھی بچے کو بھولتی نہیں ہے، کتنی بھی تکلیف آجائے، پریشانی آجائے، وہ اپنی تکلیفوں کو بھول جاتی ہے؛ لیکن اپنے بچے کو کبھی نہیں بھولتی۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہاں یہ صورتحال ہوگی کہ اپنے بچے کو ماں بھول جائیگی، وہ بھی کون سا بچہ جو دودھ پیتا بچہ ہے، اتنی خطرناک اور وحشت ناک صورتحال ہوگی کہ کوئی عورت حاملہ ہوگی تو اسے بچہ نکل آئیگا، اور لوگوں کے قدم خوف کی وجہ سے نشہ آور کی طرح لڑکھڑاتے اور ڈگمگاتے ہوں گے۔

یہ ہے اس زمانے کا حال، جب اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ ؓ

کرام کو یہ آیتیں سنائیں تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، بعض صحابہ کرام چیخیں مارنے لگے اور کپڑے پھاڑ لئے۔ یہ کیا ہے؟ دل کی نرمی کی کیفیت ہے، تو معلوم ہوا کہ قرآن پاک کو اس طرح پڑھنے کی ضرورت ہے، کبھی اس کے مضامین پر غور کرنے کی ضرورت ہے؛ لیکن عام طور پر قرآن پڑھنے والے بہت کم اور قرآن پر غور کرنے والے تو اتنے کم کہ ہم تو اس کی کوئی گنتی اور حساب ہی نہیں بول سکتے کہ کتنی کم ہے یہ تعداد؟ اس لئے کبھی کبھی قرآن پاک کو غور وفکر سے پڑھو، ترجمے کے ساتھ پڑھو اور اس کے معانی اور مطالب کو دیکھو۔ اور ویسے بھی بغیر سمجھے صرف تلاوت کرنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ الغرض قرآن کریم دلوں کو نرم کرنے کا عظیم نسخہ ہے۔

حضرت عمر کے دل کو کس چیز نے نرم کیا؟

آخر سوچنے کی بات ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے سخت دل انسان کو نرم کرنے والی کون سی طاقت تھی؟ کتنا بڑا سخت ترین آدمی، سخت دل انسان، ان کے اندر اتنی سختی تھی کہ وہ اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہنا پڑا '' **أرحم امتي بأمتي أبوبكر وأشدهم في أمر الله عمر** '' کہ تمام صحابہ میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے تو ابوبکر ہیں، ان کا دل بڑا نرم ہے، بڑا گداز ہے۔ اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ میرے صحابہ میں سختی برتنے والے وہ عمر ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس وقت جوان کے اندر سختی تھی، وہ اللہ کے دین کے لئے سختی تھی۔ لیکن جب وہ کافر تھے، اسلام میں ابھی داخل نہیں ہوئے تھے، ان کی سختی کا یہ عالم تھا کہ اللہ کا نام لینے والوں کو مارتے تھے، ان کی

ایک باندی مسلمان ہوگئی تھی ،اس باندی کو اتنا مارتے ،اتنا مارتے ،اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک کر بیٹھ جاتے ،یعنی اس خیال سے نہیں کہ یہ مار کھا کے تھک گئی ہوگی؛ بلکہ مارتے مارتے جب خود ہی تھک جاتے تو کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ یہ حال تھا حضرت عمر کا۔

اسی سختی کا مظاہرہ کرنے کی نیت سے حضرت عمر اپنے گھر سے نکلتے ہیں، یہ ارادہ کرکے نکلتے ہیں کہ آج (نعوذ باللہ) محمد کو ختم کرکے چھوڑونگا۔ چنانچہ تلوار سونتے ہوئے راستہ میں جارہے تھے ،ایک صحابی کو دیکھا اوران کو بھی مارنے پر تل گئے، صحابی نے کہا: مجھے کیا مارتے ہو؟ ذرا اپنی بہن کے گھر کا جائزہ لو،تمہاری بہن بھی تو محمد کی غلام ہوچکی ہے، یہ سننا تھا،بس وہیں ان کا دماغ پلٹ گیا ان کو تو چھوڑ دیا اور سیدھے پہونچ گئے اپنی بہن کے گھر، وہاں جب پہونچے تو دیکھا کہ ان کی بہن اور بہنوئی دونوں حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھنے اور پڑھنے میں مشغول تھے، حضرت خبابؓ ان کو قرآن پڑھا رہے ہیں اور یہ دونوں قرآن سیکھ رہے ہیں۔

حضرت عمر کو دیکھا تو انہوں نے قرآنی اوراق اٹھا کر ایک طرف کو رکھ دیا، حضرت خباب کو کہیں چھپادیا، حضرت عمر اندر گھسے اور پوچھا کیا تم مسلمان ہوگئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاچکے ہیں ایمان میں ہم داخل ہوگئے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ بہنوئی کو پکڑ کر انہوں نے بہت مارا، بہن درمیان میں چھڑانے آئیں تو ان کو بھی ماردیا، بہت دیر تک مارتے رہے، سخت دلی کا مظاہرہ کرتے رہے، پھر کچھ دیر بعد کہنے لگے کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے، ذرا مجھ کو بھی دکھاؤ، انہوں نے کہا تم ناپاک ہو، تمہارے ہاتھ میں ہم کیسے یہ دیدیں؟ غسل کرو، وضو کرو تو پھر وہ چیز تمہیں دکھائی جاسکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، وضو کیا، پھر اس

کے بعد ان کے سامنے وہ اوراق رکھے گئے جس کے اندر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھنے لگے، وہ تو عربی زبان کے ماہر تھے، اب پڑھ رہے ہیں ﴿طٰهٰ مَاأَنْزَلْنَاعَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقىٰ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشىٰ تَنْزِيْلاً مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمٰوٰاتِ الْعُلىٰ☆ اَلرَّحْمٰنُ عَلىٰ الْعَرْشِ اِسْتَوىٰ﴾ اب پڑھتے جارہے ہیں، پڑھتے جارہے ہیں، جیسے جیسے پڑھتے جارہے ہیں، دل نرم ہوتا جارہا ہے، کہاں گئی سختی؟ اتنے سخت دل انسان کہ سختی کا مظاہرہ کرنے نکلے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آج قتل کر کے چھوڑونگا، اور پھر یہاں آئے تو بہن اور بہنوئی کو مارنے لگے؛ لیکن اس کے بعد جب قرآن پڑھنے لگے تو وہی قرآن اب ان کے دل کو نرم کرنے لگا، کچھ دیر پڑھنے کے بعد بہن سے کہنے لگے میں بھی محمد کا غلام ہونا چاہتا ہوں، اللہ اکبر!

یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا اولین دور تھا، چند لوگ مسلمان ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں محبوس رہتے تھے، بند رہتے تھے چلنا پھرنا آنا جانا لوگوں کے سامنے سے گزرنا یہ ان کے لئے بہت زیادہ مشکل بات تھی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں بند ہیں۔

ان کے بہن اور بہنوئی حضرت عمر کو لیکر دار ارقم پہنچے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، ایک صحابی اندر سے آکر دیکھتے ہیں، انہوں نے جھانک کر دیکھا تو خطرناک آدمی کھڑا ہے، اور عجیب بات یہ ہے کہ تلوار بھی لٹکی ہوئی ہے، انہوں نے دروازہ نہیں کھولا اور جا کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دروازے پر عمر کھڑے ہیں اور تلوار بھی لٹکی ہوئی ہے، معلوم نہیں کیا ارادے سے آئے ہیں، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی سے ایک رات پہلے اللہ سے دعا کر چکے تھے، اللہ

کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) ان دونوں میں سے کسی کو مسلمان بنا کر دین کو تقویت عطا فرما، اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رات کو یہ دعا کی تھی، جب یہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بتایا گیا کہ عمر کھڑے ہیں، تلوار لٹکی ہے، معلوم نہیں کیا ارادے سے آئے ہیں؟ تو اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذہن میں آیا کہ ضرور اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے، فرمایا کہ دروازہ کھول دو، اچھی نیت سے آیا ہے تو ٹھیک، اگر غلط نیت سے آیا ہے تو اسی کے تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم سے دروازہ کھولا گیا وہ اندر پہونچے اور جا کر ایمان قبول کیا، اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لاتے ہی جو صحابہ پانچ دس وہاں موجود تھے انہوں نے اتنے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ جتنا وہاں آس پاس کا علاقہ تھا وہ سارا کا سارا گونج اٹھا۔

بہر حال یہ واقعہ میں نے اس لئے آپ کو سنایا کہ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دل کو نرم کرنے میں قرآن کیسا رول ادا کرتا ہے؟ عمر جیسے سخت ترین انسان کے دل کو نرم کرنے والا یہ قرآن ہمارے دلوں کو بھی ضرور بدل دیگا؛ اس لئے کہ ہم مسلمان تو ہیں، ایمان تو رکھتے ہیں، اللہ کو اور اللہ کے رسول کو مانتے ہیں، قرآن پر یقین ہے تو پھر اللہ کے اس کلام کی وہ تاثیر ہمارے اوپر بھی ظاہر ہو سکتی ہے؛ لیکن بس ہمارے اندر کمی یہ ہے کہ ہم اس کے اوپر توجہ نہیں کرتے، غور و فکر سے پڑھتے نہیں ہیں، کیسی کیسی آیتیں ہیں، دل کو دہلا دینے والی، دل کی کایا پلٹ کر دینے والی، اللہ کے عذابات کی آیتیں، جنت کے احوال کی آیتیں، دوزخ کے احوال کی آیتیں، قبر کے احوال کی آیتیں، موت کا تذکرہ، موت کے وقت انسان کے اوپر پیش آنے والے احوال، یہ ساری کی ساری باتیں اللہ نے قرآن میں پھیلا رکھی

ہیں اور ایسے عجیب عجیب انداز سے، عجیب عجیب طریقوں سے کہ انسان اسے پڑھے تو ضرور بالضرور اس کا اثر ہوتا ہے۔

قرآن نے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے دل کو بدل دیا

طفیل بن عمرو دوسی ایک دفعہ مکہ آئے تو مکہ کے لوگ جو بھی مکہ آتا تھا، اس کو یہ کہہ دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے کہ بھائی مکہ کے اندر ایک آدمی بہت بڑا جادوگر ہے؛ اس لئے تم کہیں بھی جاؤ ٹھیک ہے؛ لیکن اس جادوگر کے پاس نہ جانا، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، انہوں نے اس کا پروپگنڈا کیا، لوگوں میں بات پھیلائی، چنانچہ لوگ آتے تو سب سے پہلے ان کے کان بھر دیتے تھے، اور لوگ ڈر کے مارے جاتے نہیں تھے۔ یہ صحابی کہتے ہیں کہ میں بھی آیا تھا مکہ میں، آیا تھا کسی مقصد سے تو لوگوں نے یہ کہا کہ یہاں ایک آدمی ہے، بڑا جادوگر ہے تم اس کے قریب مت جانا، میں نے کہا کہ جادوگر ہے کیا کرتا ہے وہ؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے، تو جب وہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے تو سب لوگ اس کے ہو جاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا شاید ان کے اوپر کچھ جنات کا اثر ہو گیا ہوگا، یا اور کوئی بیماری کا اثر ہوگا، کہتے ہیں کہ میں ایک منتر پڑھا کرتا تھا، میں اس خیال سے ان کے پاس گیا کہ منتر پڑھکر ان کے اوپر کے وہ اثرات ختم کر دوں گا۔ اس کے لئے ان کے پاس جانا ضروری سمجھا، کہتے ہیں کہ میں ان کے قریب گیا اور جا کر میں نے کہا کہ آپ کا کیا دعویٰ ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میرا دعویٰ ہے ''**انی رسول الله**'' (میں اللہ کا رسول ہوں) انہوں نے کہا کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا، وہ صحابی

کہتے ہیں کہ میں سنتا رہا سنتا رہا سنتا رہا، یہاں تک کہ میرا سارا جادو اتر گیا، منتر پڑھنے آئے تھے؛ لیکن خود کے اوپر کا جادو، اور خود کی برائی ختم ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ اس دن سے سارا کفر وشرک مٹ گیا اور اسی وقت میں نے کہا کہ مجھے بھی ایمان میں داخل کرلیجیے۔

لوگ کیا کیا ارادے لیکر آتے تھے، ایسے ارادے بھی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کردوں گا، ان کے جادو کو اتار دوں گا؛ لیکن جب اللہ کلام پڑھا جاتا تھا تو اللہ کے کلام کی تاثیر رونما ہوتی تھی، ظاہر ہوتی تھی اور ان کے دلوں کے اندر نرمی ایسی پیدا ہوتی کہ ایمان قبول کرکے جاتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے دل پر قرآن کا اثر

قرآن پاک کی تلاوت بالخصوص غور وفکر کے ساتھ، تدبر کے ساتھ اگر کی جائے، تو اس سے دل کو بہت زیادہ نرم کرنے میں فائدہ ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ بہت بڑے فقیہ تھے، بہت بڑے محدث تھے اور چار اماموں میں سے ایک امام ہیں، اور بڑے اللہ والے بھی تھے، غور وفکر کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے، احادیث پڑھتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا دل بہت نرم ہوگیا، امام شافعی کے واقعات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے تھے اور ان آیات پر پہنچے جو سورہ مرسلات میں ہیں:

﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾ ان آیتوں کو بار بار پڑھنے لگے اور رونے لگے یہاں تک کہ ان کی حالت یہ ہوگئی کہ بے ہوش ہوکر گر گئے؛ کیونکہ اس کے اندر مضمون ہی ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: یہ قیامت کا دن

ایسا ہولناک دن ہے، جس دن کوئی بول نہیں پائیگا، بولنے کی سکت نہیں رکھے گا، اس قدر خوفناک، ہیبت ناک اور وحشت ناک وہ دن ہوگا، اور کچھ لوگ اگر بولنا بھی چاہیں گے تو ان کو معذرت کے لئے کوئی موقعہ نہیں دیا جائیگا کہ وہ اپنی معذرت پیش کرنے لگیں کہ میں نے کفر اس لئے کر دیا تھا، اے اللہ! میں نے شرک اس لئے کرلیا تھا، میں نے گناہ اس لئے کر دیا تھا۔ ان کو عذر و معذرت کرنے کی بھی کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ جب یہ آیتیں پڑھنے لگے تو امام شافعی رحمہ اللہ پر حال طاری ہوگیا، دل کی نرمی کا یہ حال کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔

معلوم ہوتا ہے بھائیو! قرآن پاک اگر اس طرح پڑھا جائے، غور و فکر کے ساتھ، معانی پر توجہ کے ساتھ تو دل پر ضرور بالضرور اس کا اثر ہوتا ہے۔

قرآن نے حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ کے دل کو نرم کیا

ایک دفعہ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ جو بڑے اکابر محدثین وصوفیاء اور بزرگوں میں سے ہیں، ان کے بڑھاپے کا عالم تھا، چل نہیں پا رہے تھے، چلنے کی طاقت نہیں ہے، پیر اٹھتا نہیں ہے، بیماریاں ان کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں، ایسے بڑھاپے کی حالت میں وہ اپنے پیروں کے بل گھسٹتے ہوئے اپنے بیٹے کا سہارا لیتے ہوئے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دروازہ پر آ گئے۔ -- حسن بصری اور میمون بن مہران دونوں ہمعصر بزرگ تھے -- دروازہ پر آئے اور دستک دی، باندی نے آ کر پوچھا کہ کون ہیں؟ ان کے بیٹے کہنے لگے کہ یہ میرے والد حضرت میمون بن مہران ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ملنے آئے ہیں، ذرا ان کو اطلاع کر دو، ملاقات ہو جائے۔ باندی کہنے لگی کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ اس بوڑھے کو کھینچ

کر لے آیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اتنے بوڑھے تھے کہ باندی کو اس کا احساس ہونے لگا کہ ایسے آدمی کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی؟ خود ہی آجاتے۔

انہوں نے کہا کہ نہیں! نہیں! انہی کو ملنا تھا، اس لئے میں نہیں آ سکتا تھا، یہ ان کی ضرورت تھی، یہی آنا چاہتے تھے۔ الغرض حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ کو اطلاع دی گئی، اور ان کو اندر بلا کر بٹھایا گیا، حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تشریف لائے خیر خیریت ہوئی، پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ حضرت میمون نے کہا کہ حضرت! دراصل بات یہ ہے کہ دل میں ذرا سختی محسوس کر رہا ہوں، آپ کی خدمت میں آیا ہوں، کوئی ایسی بات کہہ دیجئے جس سے دل کی سختی دور ہو جائے۔

ذرا سوچئے کہ وہ بڑھاپے کے عالم میں ایک تو وہ خود کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، میمون بن مہران تاریخ کی عجیب شخصیت ہیں، محدثین میں تاج مانے جاتے ہیں، صوفیاء میں ستارہ مانے جاتے ہیں، کوئی معمولی ہستی نہیں، اتنی بڑی ہستی ہیں؛ لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ دل میں سختی پا رہا ہوں، حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ نے کیا کہا ان کو؟ کچھ نہیں بس قرآن پڑھنا شروع کر دیا، بس جناب! آیتیں پڑھنا تھا، دونوں کا ایسا عجیب حال ہوا کہ یہ بھی زور زور سے رونے لگے، وہ بھی زار و قطار رونے لگے، کچھ دیر تو بس رونے ہی کی مجلس قائم ہوئی۔ کہتے ہیں کہ کچھ دیر کے بعد جب وہ تھم گئے، سنبھل گئے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی وجہ سے میرے دل کی سختی دور ہو گئی، اجازت دیجئے واپسی چاہتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو دلوں کی سختی کا بڑا احساس بھی ہوتا تھا، بزرگوں کے پاس آتے، پوچھتے حضرت! بتایئے کہ دل کو نرم کیسے کروں؟ اور دل کی سختی کو دور کیسے کروں؟ آج ہمارے دلوں میں اس لئے نرمی نہیں پیدا ہو رہی ہے

کہ سختی کا احساس بھی نہیں ہے؛ اس لئے سختی انتہا درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ اور مذکورہ واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ تلاوت قرآن سے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔

ولید ابن عتبہ کے دل پر قرآن کا اثر

سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ولید ابن عتبہ، کافروں کی طرف سے اللہ کے نبی کی طرف قاصد بنا کر بھیجا جاتا ہے، وہ اللہ کے نبی کے پاس آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ مجھے مکہ کے سرداروں نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور ایک پیغام دیکر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا کہ کیا پیغام ہے؟ کہنے لگا کہ مجھے یہ پیغام دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے یہ بات رکھوں کہ آپ جو یہ دین کے نام سے ہمارے بتوں کے خلاف سازش چلا رہے ہیں اور ایک اللہ کی بات لوگوں کے سامنے رکھتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے مکہ کے سرداروں کا کہنا ہے کہ اگر آپ کا مقصود اس سے یہ ہے کہ آپ یہاں کے حاکم اور بادشاہ بن جائیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں اور آپ کو ہم اپنا حاکم اور فرماں روا تسلیم کرلیں گے؛ اور پھر کہنے لگا کہ سرداروں نے یہ کہا کہ اگر آپ کا مقصد اس دین کی دعوت سے مال پیسہ جمع کرنا ہے تو ہم سونے اور چاندی کے خزانے آپ کی خدمت میں لاکر ڈال دیں گے؛ لہذا آپ یہ چھوڑ دیجئے، اور پھر اس نے کہا کہ ہمارے سرداروں کا کہنا ہے کہ اگر آپ کا مقصد اس دین کی دعوت سے اور تحریک سے اگر یہ ہے کہ دنیا میں عیاشی کریں تو ہم آپ کو عیاشی کرنے کا پورا سامان بھی دینے کے لئے تیار ہیں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیں، اس دین کی تحریک کو چھوڑ دیں۔

ان تین باتوں میں سے کسی ایک کو بھی قبول کرلیجئے، آپ حاکم بننا چاہیں تو ہم حاکم بنالیں گے، مالدار بننا چاہیں تو آپ کو سونا و چاندی دیکر آپ کو مالدار بنادیں

گے اور آپ کو عیاشی چاہئے تو عیاشی کے اسباب آپ کے لئے فراہم کر دیں گے۔

جب وہ خاموش ہوا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری بات ختم ہوگئی؟ اس نے کہا ہاں! ختم ہوگئی، اس کا جواب چاہتا ہوں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب کے اندر سورۃ ''حم السجدہ'' کی تلاوت شروع فرمادی، وہی جواب تھا حضور کی طرف سے، سورہ ''حم السجدہ'' تلاوت کرتے چلے جا رہے ہیں، کرتے چلے جا رہے ہیں، اس کے اندر قوم عاد اور قوم ثمود اور پچھلی قوموں کا تذکرہ آ رہا ہے، اور اس کے اندر یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ دیکھو پچھلے لوگوں پر اللہ کی طرف سے کیسے کیسے عذابات آئے؟ اللہ کے نبی جب یہاں پر پہنچے تو وہ آدمی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پایا، اس کا دل اتنا نرم ہوگیا، اتنا نرم ہوگیا کہ وہ اللہ کے نبی کے منہ کے قریب اپنا ہاتھ رکھ کر کہنے لگا: محمد! بس کرو، بس کرو، اگر آپ نے مزید پڑھ دیا تو میرا دل پھٹ جائے گا، میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اللہ کے نبی رک گئے۔

اب اندازہ کرو کہ اتنے بڑے کافر کے دل پر اثر انداز ہونے والا اللہ کا یہ کلام اپنے اندر کیسی تاثیر رکھتا ہوگا؟ لیکن آج ہم لوگ قرآن ہی نہیں پڑھتے، بہت سارے ایسے ہیں کہ پورا پورا سال ہو جاتا ہے؛ لیکن قرآن اٹھا کر نہیں دیکھتے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ حافظ قرآن ہو کر بھی نہیں پڑھتے، بھائی اللہ کا کلام پڑھئے، اللہ کا کلام کبھی سنئے، اچھے اچھے قاریوں سے سنئے اور دل جمعی کے ساتھ پڑھئے اور اس کے مضامین پر نگاہ ڈالتے ہوئے پڑھئے، ذرا توجہ کرکے پڑھئے، پھر دیکھئے کہ اللہ کے اس کلام کا کرشمہ کیسے ظاہر ہوتا ہے؟

قرآن کا اثر کفار مکہ کے دلوں پر

سیرت کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا معمول رات میں اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنے کا تھا اور اس میں عام طور پر قرآن پاک جو پڑھتے تھے ذرا آواز سے پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابوجہل ابوسفیان اور اخنس بن شریق تین مکہ کے بڑے بڑے سردار ایک دوسرے سے چھپ کر اللہ کے نبی ﷺ کے مکان کے کسی کونے میں آکر بیٹھ کر قرآن سنتے تھے، اللہ کے نبی ﷺ قرآن پڑھتے جارہے ہیں، روتے جارہے ہیں، ہچکیاں بندھی جارہی ہیں، عجیب عجیب کیفیتیں ظاہر ہورہی ہیں، اور یہ لوگ اللہ کا کلام سننے کے لئے اور اس کی لذت وشیرینی اور مٹھاس کو محسوس کرنے کے لئے اپنی راتوں کی نیند کو قربان کر کے آئے ہوئے ہیں۔

ذرا سوچنے کی ضرورت ہے کہ یہ لوگ تو ویسے بھی عیاش، شراب کے عادی، راتوں کو تو ضرور شراب پیتے ہوں گے؛ لیکن اپنی شراب کو چھوڑ دیا، اپنی نیند کو بھی قربان کردیا، راحت کو ترک کردیا۔ اور قرآن سننے چلے آئے۔

جب صبح کا وقت ہوتا تھا تو یہ لوگ آہستہ سے نکل کر واپس ہو جاتے تھے، ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب نکل کر جانے لگے تو تینوں کی ایک موڑ پر آکر ملاقات ہوگئی، اب ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے، آپس میں کہنے لگے کہ ایسا ہے کہ ہم کو اس قرآن نے بے چین کردیا تھا، رات کی نیند اس نے حرام کردی ہے، ہم یہاں قرآن سننے کے لئے آئے ہیں۔ پھر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ دیکھو ہم ہی ایسا کرنے لگیں گے تو پھر دوسرے لوگ کیا کریں گے؟ ہم کو تو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ تینوں نے وعدہ کرلیا اور کہا کہ کل سے پھر ایسی حرکت نہیں ہوگی۔ اب

سب چلے گئے، جب رات ہوئی تو سب کو پھر بے چینی شروع ہوگئی، قرآن سننے کے لئے تڑپ پیدا ہوگئی اور اندر سے حرص پیدا ہوگئی، رات کو نیند نہیں آتی، کروٹیں بدل رہے ہیں، ابوجہل سوچنے لگا کہ ان دونوں نے تو وعدہ کیا ہے کہ نہیں آئیں گے؛ اس لئے وہ دونوں تو نہیں آئیں گے، میں چلا جاتا ہوں۔ اور ابوسفیان نے یہ سوچا کہ ان دونوں نے تو مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دونوں نہیں آئیں گے؛ اس لئے وہ دونوں تو نہیں آئیں گے، میں جاؤں گا تو کسے پتہ چلے گا؟ اور وہ اخنس بن شریق کہنے لگا کہ وہ دونوں تو نہیں آئیں گے میں چلا جاؤں گا تو کیا پتہ چلے گا؟ تینوں نے اسی طرح سوچا اور تینوں پھر جمع ہوگئے، اور صبح میں پھر ملاقاتیں ہوگئی، پھر آپس میں ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگے، اسی طرح دو تین دفعہ ہوا۔ اندازہ کرنا چاہئے کہ ان کے دلوں کو قرآن نے کس قدر موم بنا دیا تھا۔ (الخصائص الکبری: ۱/۲۶۸)

اسی لئے قرآن نے کہا ہے کہ: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ (یہ سب یقین رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، ان کے دلوں کو اس کا پورا پورا یقین ہے اور اطمینان ہے؛ لیکن اس کے باوجود محض تکبر کی بنا پر اس کا انکار کرتے ہیں)

(سورہ نمل: ۱۴)

تو بھائی اس سے بتانا کیا ہے؟ اللہ کے کلام کی تاثیر کافروں کے دلوں پر بھی ہو رہی ہے، اگر قرآن اثر نہ کرتا تو کفار قرآن سننے اس طرح بے تاب کیوں ہوتے؟! بھائیو! جب اللہ کا پاکیزہ کلام کافروں پر بھی اثر کر سکتا ہے تو مسلمانوں پر کیوں نہیں کرے گا؟

کثرت تلاوت اور حضرت شاہ عبداللطیف صاحب کا ذکر

لہٰذا قرآن پڑھنے کا معمول بنائیں، جو حافظ قرآن ہیں وہ کم از کم ایک پارہ پڑھیں، اللہ نے آپ کو حافظ بنایا، کتنی بڑی خدا کی دولت ہے؟ اس سے بڑی کوئی

دولت ہے؟ بہت ہی عظیم الشان دولت ہے، اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے، اس عنایت کی قدر یہ ہے کہ اسے روزانہ پڑھیں۔

ہمارے مدرسہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے، جو دلی کی لال مسجد میں رہتے تھے۔آپ حضرت مولانا اسداللہ صاحب رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اور بڑے صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، تو جب لوگ ملنے لگے، ہمارے مدرسے کے اساتذہ وطلبہ بھی ملنے لگے تو حضرت نے ہر ایک سے معلوم کرنا شروع کیا کہ روزانہ کتنے پارے پڑھتے ہو؟ کسی نے کہا آدھا پارہ، کسی نے کہا ایک پارہ، کسی نے کہا ڈیڑھ پارہ، حضرت بہت ناراض ہوگئے۔حضرت نے کہا: علماء ہوکر، حفاظ ہوکر یہ حال ہے؟ کم سے کم پانچ پارے ضرور پڑھنا چاہئے۔اور میں نے خود حضرت کو دیکھا ہے، ان کا دن بھر قرآن پڑھتے ہوئے گذرتا تھا۔

آپ اپنی مصروفیات کی وجہ سے پانچ پارے نہیں پڑھ سکتے تو کیا بھائی دو پارے بھی نہیں پڑھ سکتے؟ ارے ایک پارہ بھی نہیں پڑھ سکتے؟ کم سے کم ایک پارہ تو پڑھنا چاہیے۔بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو قرآن ہی اٹھا کر نہیں دیکھتے، یہ بہت ہی محرومی کی بات ہوتی ہے؛ اس لئے معمول بناؤ۔اور جو عوام الناس ہیں، ان سے بھی میری گذارش ہے اور جو حفاظ وعلماء ہیں، ان سے بھی میری گذارش ہے، اپنی اپنی حیثیت سے معمول مقرر کرلیں کہ ہم کو ضرور اتنا قرآن پڑھنا ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ جب بندہ قرآن پڑھتا ہے تو اللہ اس طرح سنتے ہیں جیسے کوئی گانے والی گاتی ہے تو اس کا مالک اس کو سننے کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ (مسند أحمد: ۲۳۹۴۷، ج: ۳۹)

پہلے زمانے میں گانے والیاں ہوتی تھیں۔ ایسی عورتوں کو گانا سننے کے شوقین لوگ اپنے پاس رکھا کرتے تھے، وہ ان سے گانا سنتے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والا جب قرآن پڑھتا ہے تو اللہ اسی طرح اس کی طرف اس طرح متوجہ ہوتے ہیں جیسے گانے کا شوقین آدمی گانے والی عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

لہذا جب قرآن پڑھو تو یہ خیال کرو کہ اللہ کا کلام ہے اور دوسرے یہ خیال کرو کہ اللہ سن رہے ہیں۔ جب اس تصور کے ساتھ قرآن کی تلاوت ہوگی تو اندازہ کریں کہ دلوں پر اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ دل کے اندر کس قدر گداز پیدا ہوگا اور نرمی پیدا ہوگی؟

دلوں کو نرم کرنے کا دوسرا نسخہ — اللہ کا ذکر ہے

اس کے بعد دیکھئے دوسری چیز کو جس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اور سختی دور ہوتی ہے، اور وہ ہے اللہ کا ذکر۔ اللہ کا ذکر بار بار کرتے رہیں تو انشاء اللہ دل کے اندر نرمی آئے گی؛ اس لئے کہ یہ اس کی خاصیت ہے۔

ہر چیز کی ایک خاصیت ہوتی ہے، زہر کی خاصیت، حلوے کی خاصیت، ٹانک کی خاصیت اور بادام اور حلوے کی خاصیت، ہر چیز کی ایک ایک خاصیت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے ذکر کی بھی ایک خاصیت ہے۔

اور اللہ کے ذکر کی ایک ہی نہیں، بلکہ بہت سی خصوصیات ہیں، ان میں سے بہت اہم خصوصیت تو یہی ہے کہ اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے؛ اسی لئے بزرگوں کو یہ دیکھا گیا ہے کہ سب سے زیادہ نرم دل تو وہی ہوتے ہیں؛ کیوں؟ اس

لئے کہ سب سے زیادہ اللہ کا ذکر وہی کرتے ہیں۔ جو چوبیس گھنٹے اللہ کا ذکر ہی کرتے رہتے ہوں، ان کے دلوں میں نرمی نہیں تو اور کیا ہوگی؟ نرمی اتنی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں پر رحم وکرم کرتے ہیں اور دیگر مخلوقات پر بھی رحم وکرم کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ حضرت! میرے دل میں بڑی سختی معلوم ہوتی ہے، اس کے لئے کوئی علاج بتایئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اس آدمی کو لیجاؤ اور جہاں ذکر کی مجلس ہو، وہاں اس کو بٹھادو؛ اس لئے کہ اس کے دل کو نرم کرنے کے لئے یہ اللہ کا ذکر مفید ہے۔

کثرت ذکر کا حکم

اسی لئے قرآن میں اللہ تعالی نے عقلمندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾

(عقلمند وہ لوگ ہیں جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے کسی وقت بھی وہ اللہ کو نہیں بھولتے، ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں) (سورہ آل عمران/۱۹۱)

ایک اور جگہ اللہ نے قرآن میں حکم دیا ہے:

﴿یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْکُرُوْ اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً﴾ (اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو) (سورہ احزاب/۴۱)

اور کثرت کسے کہتے ہیں؟ ایک بزرگ نے کہا: کہ ایک آدمی کے پاس ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور چوبیس میں سے اکثر کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرکے دو حصوں میں ذکر کرو، چوبیس گھنٹوں کو آپ تین حصوں میں تقسیم کریں تو کتنے ہونگے؟ آٹھ آٹھ گھنٹے، تین میں تقسیم ہوگئے، تو دو حصوں میں یعنی سولہ گھنٹے اللہ کا ذکر کرو، تب جاکر کثرتِ ذکر ہوگا، اور آٹھ گھنٹے آپ ذکر کریں، سولہ گھنٹے نہ کریں

تو یہ قلتِ ذکر ہوگا۔اور اللہ کا حکم کیا ہے؟ کثرتِ ذکر کا۔

کثرت ذکر کا آسان طریقہ

مگر یہاں آپ پریشان نہ ہوں کہ کثرت ذکر کا اگر یہ مطلب ہے کہ سولہ گھنٹے ذکر میں لگائیں تو ہم یہ کام کیسے پورا کرسکیں گے؟ اللہ نے اس کے لئے بڑی آسانی کردی۔آسانی یہ کردی کہ دین کا جو بھی آپ کام کریں اس میں نیت اللہ کی رضا کی کرلیجئے ذکر ہوجایگا، نماز بھی آپ کا ذکر ہے اور آپ قرآن کی تلاوت کرر ہے ہیں تو وہ بھی ذکر ہے ،مدرس صاحب پڑھانے بیٹھے ہوئے ہیں، نیت کر کے پڑھانے کے لئے بیٹھیں تو ان کے پڑھانے کا پورا وقت ذکر ہے۔علماء کے لئے تو بہت آسان ہے؛ اس لئے کہ وہ تو دن بھر پڑھنے پڑھانے میں لگے رہتے ہیں،لہذا اپنے پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و تالیف ، وعظ ونصیحت ، بیان وخطاب سب کے اندر رضائے خداوندی کی نیت کرلیں ، یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہوجائے گا۔

یہ طریقہ تو علماء کے لئے ہے،اور ایک طریقہ وہ ہے جس سے علماء بھی اور عوام بھی دونوں کو کثرت ذکر اللہ حاصل ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو یاد کرلیں ،سنتوں کو یاد کرلیں، کھانے کی دعا، پینے کی دعا، بیت الخلا آنے جانے کی دعا، جب یہ سارے کام دعاؤں کے ساتھ سنت کے مطابق انجام پذیر ہوں تو یہ سب کام ذکر میں شامل ہوجائیں گے۔اسی طرح صبح سے شام تک کے ہمارے سارے اعمال و افعال سنت کے مطابق اور دعاؤں کے ساتھ ہوتے رہیں گے تو یہ سب کام بھی ذکر اللہ میں شامل ہوجائیں گے۔

سونا و جاگنا، کھانا و پینا، باہر جانا و آنا، بیت الخلا جانا و آنا، کپڑے پہننا و نکالنا، جوتے پہننا و نکلنا، بازار جانا و آنا، تجارت و ملازمت کرنا، کسی سے ملنا و بات چیت کرنا،

شادی و غمی، الغرض ہر موقعہ پر دعاؤں کا اہتمام کرلیا جائے تو ہمارا اکثر وقت ذکر اللہ میں لگ جائے گا۔ اب بتایئے کہ ہمارا مسئلہ آسان ہوگیا یا نہیں؟ بہر حال ذکر کا اہتمام بھی دلوں کو نرم بناتا ہے۔

ذکر اللہ دو کام کرتا ہے

ذکر اللہ دو طرح کا کام کرتا ہے، دل اگر ناپاک ہے تو اسے پاک بناتا ہے اور اگر وہ پاک ہے تو اس کی تعمیر بھی کرتا ہے، ہے تو ایک ہی چیز، لیکن کام دو کرتا ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بعض اطباء کے یہاں بنے ہوئے حلوے ہوتے ہیں، ان میں سے بعض حلوے ایسے ہوتے ہیں کہ جب آدمی بیمار ہوتا ہے اور اس کو کھاتا ہے تو بیماری کو نکالے گا اور پھر اس کے بعد بھی جاری رکھے گا تو قوت دیگا۔ دیکھئے حلوہ تو ایک ہی ہے؛ لیکن کام دو کرتا ہے۔ جس طریقہ پر دنیا کے یہ حلوے بیک وقت دو کام کرنے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتے ہیں، بالکل اسی طرح ''اللہ کا ذکر'' بھی ایک حلوہ ہے جب تک آپ بیمار ہیں اس کو کھائیں گے تو بیماری دور ہوگی، روحانی بیماری، گندگی وآلائش وناپاکی دل سے نکلتی رہے گی، اور اس کے بعد بھی ذکر اللہ جاری رہے تو دل کے اندر دوسری خوبیاں اور کمالات پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ تو علماء لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے تو یہ ہونا چاہئے کہ ذکر اللہ کثرت کے ساتھ کریں۔

ذکر اللہ کا فائدہ ترک معصیت پر موقوف

ایک اور ضروری بات ہے، وہ یہ کہ ذکر اللہ اس وقت کریں جب کہ گناہ چھوڑنے کا عزم ہو چکا ہو، اگر ایسا نہیں کیا بلکہ ایک طرف گناہ بھی جاری اور ایک

طرف ذکر بھی جاری ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کٹورے کے اندر روزانہ گندگی بھی جمع کر رہا ہے اور اس کے اندر شربت بھی ڈال رہا ہے۔ غور کیجئے کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ جب ایک طرف سے گندگی بھی جمع کر رہا ہے، آنکھ سے گندگی، کانوں سے گندگی، ہاتھوں اور پیروں سے گندگی دل میں جمع کر رہا ہے اور دوسری طرف ذکر بھی کر رہا ہے تو ذکر کا فائدہ اس سے نہیں معلوم ہوگا۔

عام طور پر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ایک طرف ذکر بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف گناہ بھی کرتے ہیں۔ دل کو دھونا ہو صاف کرنا ہو، تو پہلے گناہوں کو ترک کر دینا چاہئے اور جو گندگی و غلاظت پہلے سے جمع ہے، اس کو صاف کرنے کے لئے ذکر کریں تو انشاء اللہ ذکر کی برکت سے وہ ساری گندگی و ناپاکی دور ہوتی چلی جائے گی۔ لہٰذا سلوک کی سب سے پہلی منزل ترک معصیت اور توبہ ہے، اس کے بغیر آگے کی منزلیں کبھی طے نہیں ہوسکتیں، اگر گناہوں سے توبہ نہیں کیا اور چل رہا ہے تو چلے گا چلے گا؛ لیکن رات ہو جائیگی پھر صبح اٹھے گا تو جہاں سے چلا تھا وہیں پر ہوگا۔ اسی طرح بھائیو! جب سالک اللہ کی راہ میں چلے گا تو اسے گناہوں کو چھوڑ کر آگے بڑھنا ہوگا، اگر وہ گناہوں کے ساتھ آگے بڑھے گا تو کبھی منزل تک نہیں پہونچ پائیگا، صبح سے چلے گا شام تک، شام سے صبح تک؛ لیکن ہوگا وہیں جہاں سے وہ چلا تھا۔

ایک عمدہ مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کنویں میں چوہا گر گیا تو علماء لکھتے ہیں کہ بیس ڈول پانی نکالنے سے وہ کنواں پاک ہو جائیگا، اگر کسی کنویں میں کوئی کتا گر گیا تو اس میں سے پورا پانی نکالنے پر کنواں پاک ہوسکتا ہے۔ اگر کسی صاحب نے چوہا گرنے پر بیس ڈول پانی نکال دیا، لیکن چوہا اندر کا اندر ہی ہے، چوہے کو نہیں نکالا، اسی طرح

کتے کے گرنے پر پورا کنواں خالی کر دیا، لیکن کتے کو باہر نہیں نکالا، پھر اس کے اندر سے پانی آنا شروع ہوگیا تو نکالنے والے بے وقوف نے سوچا کہ میں نے پورا کنواں خالی کر دیا ہے اور اب میرا پورا کنواں پاک ہوگیا، صاف ہوگیا۔

حالانکہ اس نے اس کتے یا چوہے کو نہیں نکالا جس کی وجہ سے کنواں خراب ہوا تھا، تو اب بتائیے کہ کتے کو نکالے بغیر، یا چوہے کو نکالے بغیر کنواں کیسے پاک ہوسکتا ہے؟

اسی طرح دل کے کنویں میں معصیت و گناہوں کی نجاست پڑی ہوئی ہو اور آپ اس کو صاف کرنے کے لئے ذکر اللہ کا ڈول ڈال کر پانی نکالدیں؛ لیکن اندر گناہوں کی غلاظت و نجاست ویسی ہی پڑی رہے، یعنی گناہ کو نہیں چھوڑ رہا ہے، گناہ برابر جاری ہے اور اوپر سے ذکر اللہ سے پانی بھی نکال رہا ہے، کیسے کنواں پاک وصاف ہوگا؟ جیسے وہاں مرے ہوئے کتے یا چوہے کو نکالے بغیر کنواں پاک وصاف نہیں ہوتا، اسی طریقے پر یہاں گناہوں کی نجاست کو باہر نکالے بغیر یہ دل بھی پاک وصاف نہیں ہوسکتا۔

تو پہلے ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑنے اور ان سے توبہ واستغفار کرنے کے بعد ذکر اللہ اپنا کام کرتا ہے۔

کیا گناہ چھوڑنے سے پہلے ذکر نہ کریں؟

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہماری اس بات سے یہ نہ سمجھیں کہ جب تک گناہوں کو نہ چھوڑ دیں اس وقت تک ذکر اللہ نہ کرنا چاہئے۔ یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ یہ بتانا ہے کہ ذکر اللہ کا فائدہ گناہ چھوڑنے والے کو ہوگا، اور جو گناہ نہ چھوڑے اس کو ذکر اللہ کا فائدہ نہیں ملے گا۔ باقی ذکر اللہ تو سبھی کو کرنا چاہئے، گناہگار بھی ذکر اللہ کرے اور نیک لوگ بھی ذکر اللہ کریں۔ اور ہوسکتا ہے کہ ذکر اللہ کی برکت سے گناہ بھی چھوٹ

جائیں۔ یہاں ہماری تقریر سے ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ ذکر اللہ کا اصل فائدہ آدمی کو اس وقت ملتا وحاصل ہوتا ہے جب وہ گناہوں سے باز آجاتا ہے۔

دلوں کونرم کرنے کا تیسرا نسخہ — موت کی یاد

تیسری بات دل کو نرم کرنے کی یہ ہے کہ موت کا مراقبہ کیا جائے ،آج کل لوگوں کو موت کے لفظ سے بڑا ڈرلگتا ہے ، جی! موت تو ڈرنے ہی کی چیز ہے؛ لیکن موت کے ذکر سے نہیں ،موت سے ڈرنا چاہئے۔ لوگ موت سے تو ڈرتے نہیں ، موت کے ذکر سے ڈرتے ہیں، یہ بے وقوفی کی بات ہے؛ اس لئے کہ موت سے تو کوئی چارۂ کار نہیں ،اس سے تو چھٹی کسی کو نہیں ،موت آنی ہے تو آکر رہے گی۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ موت کا ذکر کریں گے تو موت آجائیگی ،حالانکہ موت اپنے مقررہ وقت پر آئے گی ،اوراس سے کسی کو مفر نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا''موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی نے ایک دفعہ زمین سے قرض لیا، بہت زمانے کے بعد ایک دن زمین نے لومڑی سے کہا کہ اے لومڑی! فلاں وقت تو نے مجھ سے قرض لیا تھا، میرا قرض واپس کر،تو لومڑی قرض واپس کرنا نہیں چاہتی تھی ،اس نے بھاگنا شروع کر دیا، بھاگتے بھاگتے تھک گئی ، بہت دوور جانے کے بعد جب ٹھیر گئی ،تو ٹھیرتے ہی زمین تو نیچے تھی ہی ،اس نے کہا: لاؤ میرا قرض ،تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا،اور بھاگتی رہی بھاگتی رہی ، کہاں تک بھاگے گی؟ اسی زمین پر تو بھاگے گی ، بھاگتے بھاگتے بہت دور جانے کے بعد اپنے سوراخ میں داخل ہوگئی ،تو پھر زمین نے کہا: لاؤ میرا قرض ،تو وہ پھر بھاگنے لگی اور یہاں تک کہ

اس کی گردن جدا ہوگئی اور وہ مرگئی۔ (معجم کبیر للطبرانی: ۶۹۲۲)

مطلب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ موت سے بھاگنے والی کی مثال بھی ایسی ہی ہے، جیسے لومڑی زمین سے بھاگ کر کسی اور جگہ نہیں جاسکتی، اسی طریقے پر کوئی آدمی موت سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتا، موت تو ایسی چیز ہے کہ کیسے بھی محل بنا کر رہ جایئے موت کا فرشتہ وہاں بھی آجائیگا۔

تم کہیں بھی رہو موت آئے گی، ایک عجیب واقعہ

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

﴿ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾

(جہاں کہیں تم رہو گے موت تمہیں آپکڑے گی اگرچہ مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ رہو) [النساء: ۷۸]

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت کے تحت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کو ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ کسی پرانے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی کسی گھر میں ملازم تھا، غلام تھا، اس گھر میں رات کے وقت ایک لڑکی کی پیدائش ہوئی، اور لائٹ کا کوئی انتظام وہاں تھا نہیں، چراغ تھا جو اتفاق سے بجھ گیا، تو لوگوں نے کہا کہ چراغ جلاؤ تو وہ غلام چراغ کی تلاش میں باہر نکلا، جب باہر نکلا تو دروازے پر ایک آدمی سے اس کی ملاقات ہوگئی، اس آدمی نے کہا کہ کہاں جارہے ہو؟ کہا کہ چراغ جلانے جارہا ہوں، یہاں ایک بچی پیدا ہوئی؛ لیکن چراغ گل ہوگیا، معلوم نہیں کیسی بچی ہے کہ چراغ ہی گل ہوگیا، تو اس نے کہا کہ وہ بچی جو ابھی پیدا ہوئی ہے، یہ ایسی ہے کہ دنیا کی حسین ترین عورت ہوگی؛ لیکن ایک سو آدمیوں سے زنا کرے

گی ،اوراس لڑکی کی موت مکڑی کے کاٹنے سے ہوگی۔

یہ سن کراس غلام کوطیش آ گیا،وہ غلام گھر واپس گیا اور یہ سوچ کر کہ ایسی لڑکی کے جینے سےتو مرنا اچھا ہے،اس نے چھری اٹھائی اوراس بچی کے پیٹ میں گھونپ دیا اور مارکر باہر نکل گیا اور یہ سمجھ کر چلا گیا کہ میں تو اسے مار چکا ہوں وہ مرگئی ہوگی، لوگ مجھے تلاش کرنے لگ جائیں گے؛اس لئے وہاں سے راہ فرار اختیار کر کے کسی اور ملک میں وہ پہونچ گیا، یہاں جب لوگوں نے دیکھا کہ کسی نے بچی کو ماردیا،اب انہوں نے ڈاکٹروں کو بلایا جو کچھ کرنا تھا انتظام کیا،اس کوٹھیک ٹھاک کیا یہاں تک کہ وہ بچی ٹھیک ہوگئی،اس کی جان بچ گئی اور یہاں تک کہ وہ بڑی ہوگئی۔

اور وہ غلام کسی اور ملک کے اندر تھا،وہاں خوب کمایا،مالدار بن گیا،ایک دن اس کی خواہش ہوئی کہ شادی کرے تو اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے ایک لڑکی کی ضرورت ہے،جو حسین ہو،خوبصورت ہو،دنیا کی بہترین لڑکی ہو،ایسی لڑکی تلاش کرکے مجھ سے شادی کراؤ،اب لوگوں نے تلاش کرنے کے بعد کہا کہ ایک جگہ ایک لڑکی ہے، بہت حسین ہے،خوبصورت ہے۔

چنانچہ اس نے اس سے شادی کرلی،شادی کے بعد وہ عورت اسے بہت پسند آئی؛اس لئے کہ وہ بہت ہی حسین وجمیل تھی،اس نے اس کے لئے ایک عالی شان محل تیار کروایا اور شیشہ کا بنایا اوراس محل کے اندر بہت سجاوٹ کی۔ایک دن شوہر کی نگاہ بیوی کے پیٹ پر پڑی تو دیکھا کہ ایک نشان ہے،اس نے پوچھا کہ تمہارے پیٹ پر یہ کیا نشان ہے؟اس نے کہا کہ جب میں پیدا ہوئی تھی تو کسی آدمی نے میرے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا تھا؛لیکن ڈاکٹروں سے علاج کراکے میرے خاندان والوں نے میری جان بچالی تھی اور میں بڑی ہوگئی؛لیکن وہ نشان ویسے ہی باقی ہے۔ یہ سن

کر اسے فوراً یاد آ گیا کہ یہ تو میں ہی تھا جس نے پیدا ہونے والی بچی کو چھرا گھونپ دیا تھا، جب اس نے معلوم کرلیا اور یقین ہو گیا کہ وہی لڑکی ہے تو اس نے کہا کہ دیکھ! تیرے بارے میں دو باتیں مجھے معلوم ہیں، میں اللہ کا واسطہ دیکر کہتا ہوں، جھوٹ مت بولنا، اس نے کہا کیا؟ کہا کہ ایک بات یہ ہے کہ تو سو آدمیوں سے زنا کرائیگی، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اس عورت نے اعتراف کیا کہ ہاں یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے، اب اسے اور زیادہ یقین ہو گیا کہ جو میں نے سنا تھا وہ بالکل سچ ہے، خیر اس نے اسے درگذر کیا اور پھر اس کے بعد اس کے ساتھ اچھے طور سے رہنے لگا، چونکہ اسے معلوم تھا کہ اس لڑکی کی موت ایک مکڑی سے ہوگی، تو اس نے محل میں یہ انتظام کیا کہ کوئی مکڑی وہاں جالہ نہ تانے، انتظامات کر کے اس محل میں رہ رہے تھے، ایک دن دیکھا کہ محل میں مکڑی آ گئی ہے، فوراً وہ گھبرا گیا اور اٹھ کر اسے باہر کرنا چاہا تو وہ لڑکی خود اٹھی اور اس نے کہا کہ میں اسے باہر کرتی ہوں اور اس نے اسے مارنا چاہا تو اس عورت کا پیر اس مکڑی پر پڑا جس کی وجہ سے اس کا زہر اس کے اندر چلا گیا، اور اسی سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

بہرحال بھائیو! اس سے یہ بتانا تھا کہ انسان کہیں بھی ہو، موت آ پکڑے گی؛ اس لئے موت کا دھیان ہو، موت کی فکر ہو، موت کے بارے میں غور و فکر جاری رہے، کبھی اپنے اوپر موت طاری کر کے سوچے یعنی اپنے دماغ میں اور اپنے تصور میں کہ گویا میں مر رہا ہوں، مجھے نہلایا جا رہا ہے اور مجھے اٹھایا جا رہا ہے، مجھے لے جایا جا رہا ہے مجھے دفنایا جا رہا ہے، جو آدمی یہ بات سوچے گا کیا اس کے اندر نرمی نہیں آئیگی؟ ضرور آئیگی۔

ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئی اور آ کر اس

نے دل کی سختی کا علاج پوچھا تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ: ''أكثري ذكر الموت ، يرق قلبك '' (یعنی موت کو کثرت سے یاد کرنا کہ اس سے تیرز دل نرم ہو جائے گا) جب اس نے یہ کیا تو اس کا دل نرم ہو گیا۔

(تذکرۃ للقرطبی: ۱۲/۱، العاقبۃ فی ذکر الموت: ۱۴، احیاء العلوم: ۴۵۱/۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کو یاد کرنا یہ بھی دل کو نرم کرنے میں بہت ہی مفید ہوتا ہے۔

دلوں کو نرم کرنے کا چوتھا نسخہ — قبروں کی زیارت

چوتھی بات جس سے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے، جو دراصل تیسری بات کا جز ہے، وہ ہے قبروں کی زیارت کرنا اور، کبھی کبھی قبرستان جانا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا:

''كُنتُ نَهَيتُكم عنْ زِيَارَةِ القُبُورِ، فَزُورُوهَا ؛ فإنَّهَا تُذَكِّرُ الآخِرَةَ''

(میں نے تمہیں قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا؛ لیکن اب حکم دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کرو؛ اس لئے کہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہے) (مسلم: ۲۳۰۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ما رأيتُ مَنظراً قَطُّ إلَّا والقبرُ أفظعُ منه ''

(میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ بھیانک نہیں دیکھا) (مسند أحمد: ۴۵۳)

کیسا بھیانک منظر ہے، دیکھو! مٹی میں لیجا کر اپنے باپ کو دفن کر دیتے ہیں، وہ باپ جب زندہ تھا تو اگر نیچے زمین پر بیٹھ جاتا تو آپ کو گوارا ہوتا؟ کسی میلی جگہ بیٹھ جاتا تو آپ کو گوارہ ہوتا؟ نہیں، اور آپ کہتے ابا جی! اوپر بیٹھئے، صوفہ پر بیٹھئے؛ لیکن جب قبر میں اتارتے ہیں تو مٹی میں کیسے لے جا کر سلا دیتے ہیں؟ کتنا بھیانک منظر ہے؟

اس لئے قبر کو سوچنا دل کو نرم کرتا ہے، اوراس کے ساتھ آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، قبر کو بنانے کی فکر پیدا ہوتی ہے، قبر کو بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال کرو کہ وہاں جانے کے بعد اس قبر کا نقشہ ہی کچھ اور ہو، تا حد نظر وسیع ہو، اس کے اندر لائٹنگ ہو، اس کے اندر بستر ہو، اس کے اندر آرام کی چیزیں ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب قبر میں آدمی سے سوال وجواب ہوگا اور وہ ساری باتوں کا جواب دے دیگا تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو حکم ہوگا کہ:

"صدق عبدی ، فافرشوا له من الجنة ، و ألبسوه من الجنة ، و افتحوا له باباً الی الجنة " (ابوداود:۴۷۵۳،مسند احمد:۱۸۵۳۴)

(میرے بندے نے سچ کہا، لہذا میرے بندے کو جنت کا لباس لاکر پہناؤ اور جنت کا بچھونا بچھاؤ، اور جنت کی جانب ایک کھڑکی کھولدو)

فرشتے جنت کا لباس پہنائیں گے اور جنت کا بچھونا بچھائینگے اور اس سے کہیں گے "**نم کنومة العروس**" (دلہن کی طرح سوجاؤ)، وہ کہے گا کہ سونے کی بات کیا کرتے ہو؟ ذرا اجازت دو کہ گھر والوں کو بتا کر تو آؤں کہ کیسی کیسی نعمتیں یہاں مجھے ملی ہیں۔

دیکھئے کہ اسے اس وقت خواہش ہوگی کہ بیوی روتی ہوگی، بچے روتے ہوں گے، رشتہ دار پریشان ہونگے؛ اس لئے میں جاکر ان کو یہاں کی نعمتوں کے بارے میں بتاؤں؛ لیکن اللہ کے فرشتے کہیں گے کہ نہیں نہیں، تم سو جاؤ، تم کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں اٹھائیگا، قیامت کے دن جب وہ اٹھائیگا تب اٹھ جانا۔

ہمارے قلوب کی سختی کا حال

بھائیو! ہمارے دلوں کی سختی کا عالم یہ ہوگیا کہ قبرستانوں میں جاکر لوگوں کو اپنی

قبر یاد نہیں آتی، آخرت یاد نہیں آتی، عجیب حال ہے کہ مردے کو دفن کر رہے ہیں اور بازو کھڑے ہو کر ہنس رہے ہیں، مردے کو قبر میں اتارا جارہا ہے اور یہاں فونوں سے دنیا کی بات چیت جاری ہے، ایک بندہ اپنی آخرت کے لئے ایک اور منزل کو پہنچ گیا اور یہ بندہ یہاں کھڑے ہو کر اپنی دنیا کا حساب وکتاب لگا رہا ہے، دلوں کی سختی کا عالم دیکھو کیا ہے؟ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا اور فرمایا ہے:

﴿ أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ [التکاثر: ۱]

(دنیا کے مال وزر کی فراوانی نے یا تمہارے فخر نے تم کو غفلت میں ڈال دیا، یہاں تک کہ تم اسی غفلت اور اسی لاپرواہی کے ساتھ قبرستان بھی پہونچ گئے)

علماء نے اس کے دو مطلب بتائے ہیں:

(۱) ایک تفسیر "حتیٰ زرتم المَقَابِرَ" کی یہ ہے کہ یہاں تک کہ تم نے قبرستانوں کی زیارت کر لی، تب بھی غفلت دور نہیں ہوئی، دلوں کی سختی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہاں جانے کے بعد بھی تمہارے قلب کی سختی دور نہیں ہوئی۔

(۲) اور بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "یہاں تک کہ تم قبروں میں چلے گئے"، یعنی تم پر موت بھی طاری ہوگئی، مگر اس کے باوجود تم تفاخر میں مبتلا ہو۔

دونوں مطلب ہو سکتے ہیں، کیونکہ جس کا دل سخت ہوتا ہے وہ قبر کے پاس جا کر بھی شقی بن جاتا ہے؛ اسی لئے جتنے مجاور ہیں، وہ سب سے زیادہ سخت دل ہیں؛ حالانکہ بیٹھے ہیں اولیاء اللہ کے مزاروں پر، بیٹھے ہیں قبر کے قریب؛ لیکن ان سے زیادہ سخت دل کوئی نہیں، قبر کے پاس بیٹھے ہیں؛ مگر اپنی قبر کو بھولے ہوئے ہیں، قبر کے پاس بیٹھے ہیں، اپنی آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، قبر کے پاس بیٹھے ہیں، امت

کودھوکہ دے رہے ہیں، قبر کے پاس بیٹھے ہیں لوگوں کولوٹ رہے ہیں، لوگوں کا پیسہ بٹور رہے ہیں، گانجا مار رہے ہیں۔ بتاؤ کہ ان سے زیادہ بدبخت اور ان سے زیادہ شقی القلب اور ان سے زیادہ قسی القلب بھی کوئی ہوسکتا ہے؟ کہ قبر کے پاس بیٹھ کر بھی اپنی قبر یاد نہ آئے اور اپنی موت یاد نہ آئے، دل میں اس کا ذرہ برابر تصور بھی نہ ہو، اس لئے میں نے کہا کہ یہ سب سے زیادہ سخت دل ہیں۔

قبرستان کو قبرستان رہنے دو

اس سختی وقساوت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ آج قبرستانوں کو قبرستان نہیں رکھ رہے ہیں، بلکہ قبروں کو گلستان بنا رہے ہیں، بلڈنگ بنا رہے ہیں، گنبد بنا رہے ہیں، بعض قبروں کو دیکھا کہ اس کو ماربل سے بنایا گیا ہے، اور اس پر ایک ایک یا دو دو لاکھ کا خرچ ہوا ہے، بعض پر پانچ لاکھ خرچ ہوا ہے، اور اس میں مقابلہ بھی ہورہا ہے، یہی ہے تفاخر، جس کا ذکر آیت میں ہے، حالانکہ قبرستان کے لئے حکم یہ ہے کہ قبرستان کو قبرستان ہی رہنے دو، ہاں! ذرا سا بس نشان کے طور پر کوہان کی شکل بنا دیا جس کو ''مسنم'' کہتے ہیں یعنی اونٹ کی کوہان کی طرح بنا دیا جائے، بس اتنی بات کی اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جو لوگ قبروں پر عمارتیں بنا دیتے ہیں، قیامت کے دن ان مردوں کو اٹھنے میں بڑی تکلیف ہوگی، پہلے ان کو وہ ساری عمارت نکالنی پڑے گی، پھر باہر آنا ہوگا۔ ارے! ان کو کیوں اتنی مصیبت میں ڈال رہے ہو؟ آرام سے اٹھ جائیں، آرام سے اٹھ کر اللہ کے دربار میں جائیں، ایسی راہ ان کے لئے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک شبہ کا جواب

کسی کو یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب قبروں کو مضبوط کرنا، اس پر تعمیر کرنا جائز نہیں ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کیوں مضبوط بنایا گیا ہے اور کیوں اس پر گنبد تعمیر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں تھا، صحابہ کا حکم نہیں تھا، علماء و مفتیان کرام کا فتویٰ نہیں تھا، اکابرین اس سے راضی نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی تعلیمات میں اس سے منع کیا ہے؛ مگر بعد کے کچھ جاہل بادشاہوں نے بنادیا تھا، اسی لئے حضرات صحابہ کی کتنی مزاریں بنیں، کیا کوئی مزار ایسی بنائی گئی؟ بنانے کے بعد جب علماء سے اس کا فتویٰ طلب کیا کہ بنانے والوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر یہ سب کچھ بنادیا ہے، کیا اب اس کو باقی رکھیں یا توڑ دیں؟ علماء نے کہا کہ بنانا جائز نہیں تھا، لیکن بنانے والوں نے جب غلطی سے بنا ہی دیا تو اب توڑنا بھی جائز نہیں، کیوں؟ بے ادبی ہوگی، گستاخی ہوگی، وہاں توڑ پھوڑ ہوگی جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت و تکلیف پہنچانے والی بات ہے؛ اس لئے یہ بھی نہ کرو، جیسا ہے ویسے ہی چھوڑ دو؛ اس لئے اب وہ اسی حالت پر باقی ہے۔ تو بہرحال بتانا یہ ہے کہ قبروں کو اس طرح رکھنا چاہئے جیسے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سادے سیدھے طریقہ پر چھوڑو تاکہ وہاں جانے والوں کو عبرت ہو اور اپنی موت یاد آئے، اپنی قبر یاد آئے، جب اس طریقے پر جانا اور آنا اور اس کی زیارت کرنا ہوگا تو انشاء اللہ دل کے اندر نرمی پیدا ہوگی۔

دلوں کو نرم کرنے کا پانچواں نسخہ ــ اہل بکاء کی صحبت

آخری بات جس سے دل کے اندر نرمی پیدا ہوتی ہے، وہ ہے اہل بکاء میں بیٹھنا، یعنی رونے والوں کے ساتھ بیٹھنا، جو اللہ کی یاد میں، آخرت کی فکر میں اور اپنے احوال پر اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوں، روتے ہوں اور راتوں میں اٹھ کر اپنے خالق کو پکارا کرتے ہوں، ایسے لوگوں کی صحبتوں اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا بھی ایک بہت بڑا اثر رکھتا ہے، اور جیسے کہ ہم جانتے ہیں، ہنسنے والوں کی مجلس میں بیٹھو تو ہنسی آتی ہے اور رونے والوں کی مجلس میں بیٹھو تو رونا آتا ہے۔ تو اسی طرح رونے والوں کی صحبت سے بھی دل کے اندر نرمی پیدا ہوتی ہے؛ اسی لئے بہت سی احادیث میں اور علماء کے بیانات میں یہ بات ملتی ہے کہ ''مجالستِ علماء'' ضروری ہے، علماء سے مراد وہی علماء ہیں جن کے اندر خوف خشیت تقویٰ ہو، ایسے علماء کے پاس بیٹھنے اور اٹھنے سے بھی دلوں کے اندر نرمی پیدا ہوتی ہے۔

یہ چند باتیں دلوں کی سختی دور کرنے اور نرمی پیدا کرنے کے سلسلے میں آپ کے سامنے لائی گئیں: پہلی بات قرآن کی تلاوت، دوسری بات ذکر اللہ، تیسری بات موت کی یاد، چوتھی بات قبروں کی زیارت اور پانچویں بات علماء یعنی اہل بکاء کی صحبت، ان پانچ باتوں کا اہتمام کرینگے تو انشاء اللہ دلوں کے اندر نرمی پیدا ہوتی جائے گی، ان چیزوں کا مسلسل اہتمام باقی رکھنے سے انشاء اللہ ایک دن پتھر اور پہاڑ دل بھی نرم ہو کر پانی پانی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق مرحمت فرمائیں۔

تعمیرِ قلب کی آخری منزل

جب آپ ایک طرف دل پر ہونے والے شہوات کے حملوں سے اپنے دل کو بچا کر سختی دور کرلیں اور دوسری طرف دل میں نرمی پیدا کرنے کے نسخے استعمال کر کے دلوں میں نرمی پیدا کرلیں تو اب آپ کو دل کے تعمیر کی آخری منزل طے کرنا ہے، وہ یہ کہ اس عالی شان محل اور پاکیزہ مکان میں عظیم الشان مکین کو لا کر بسانا ہے۔

جس طرح آپ نے کسی جگہ کو مکان بنانے کے لئے منتخب کرلیا وہاں جھاڑ جھنکار تھے، گڑھے تھے، کانٹے تھے، تو سب سے پہلے آپ اس کی صفائی کرتے ہیں، وہاں جو جھاڑ جھنکار ہیں ان کو نکالتے ہیں، گڑھوں کو بند کرتے ہیں، کانٹوں کو نکالتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہاں ہر وہ چیز جو تعمیر میں رکاوٹ پیدا کرنے والی موجود ہو، سب سے پہلے اس کو صاف کرتے ہیں۔ پھر مختلف تعمیری اشیاء کو لا لا کر جوڑتے ہیں، اس طرح گھر کی تعمیر مکمل ہوتی ہے۔ پھر اس مکان میں مکینوں کو لا کر بساتے ہیں۔ اگر مکان تو عالی شان بن جائے؛ مگر اس میں رہنے والا کوئی نہ ہو تو وہ مکان نہیں؛ بلکہ کھنڈر کہلاتا ہے، تعمیر کی محنت بے سود ہو جائے گی، اسی طرح دل کا مکان تعمیر ہو جائے، سج جائے، آراستہ ہو جائے، مزین ہو جائے مگر اس میں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر تعمیر کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

بھائیو! دل کے جس مکان کی تعمیر کے لئے آپ نے اتنے مجاہدے کئے، خواہشات کو کچلا، گناہوں سے اپنے آپ کو بچایا، شہوات سے پرہیز کیا، لذات سے اجتناب کیا، معصیت سے دوری اختیار کی، نگاہوں پر کنٹرول کیا، زبان کو قابو میں رکھا، کانوں کی حفاظت کی، الغرض ہر گندگی و آلودگی کو اور نجاست و غلاظت کو کھرچ

کھرچ کر نکال پھینکا، اس کے بعد ذکر اللہ سے، قرآن کی تلاوت سے، عبادت ونیکیوں سے دل کے گھر میں بیل بوٹے لگائے، راتوں میں خوف الٰہی کے آنسوں بہا کر دل کو سیراب کیا، راتوں کی نیند حرام کی، دن کا چین ختم کیا، اتنا سب کچھ اس دل کے مکین کو بسانے ہی کے لئے تو کیا اور کیا مقصد تھا؟

دل کے گھر کا مکین کون ہے؟

اب سوچئے کہ وہ کون ہے جو اس قلب میں بسنے والا ہے؟ اس دل کے گھر میں بسانے کے قابل تو خدا ہی کی ہستی ہے، یہ گھر اسی کے لئے سجایا ہے، یہ گھر اسی کے لئے بسانا ہے، یہ تعمیر اسی کے لئے کی گئی ہے، کہ یہاں پر اللہ تعالی کو بسانا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''**ما وسعنی سمائی و لا أرضی ولکن وسعنی قلب عبدی المؤمن**'' (میں زمین میں نہیں سما سکتا، آسمانوں میں نہیں سما سکتا اگر میں کہیں سما سکتا ہوں تو میں مؤمن کے دل میں سما سکتا ہوں۔

لیکن یہ حدیث محدثین کے اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے، اور اس کی کوئی سند بھی ثابت نہیں ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ: ۱/۱۳۵، المصنوع: ۱۶۴، المقاصد الحسنۃ: ۱/۵۸۹)

ہاں! علامہ سخاوی نے ایک اور حدیث اس معنی کی طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے، اس میں ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ: ''**ان للّٰہ آنیۃ من أھل الأرض، و آنیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحین، و أحبھا الیہ ألینھا و أرقھا**''

(بلاشبہ اہل زمین میں سے کچھ اللہ کے برتن ہیں، اور تمہارے رب کے برتن

نیک و صالح بندوں کے قلوب ہیں، اوران میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہیں جو ان میں سے زیادہ نرمی ورقت والے ہیں) (المقاصد الحسنۃ: ۵۹۰/۱)

یہ ہے مؤمن کا دل، جس کو یوں سجانا ہے، اس کو یوں بنانا وسنوارنا ہے، جب یہ یوں سج جائیگا اور دھج جائیگا تو اب آپ یوں کہئے کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

یہ تیرے لئے میں نے سجا دیا ہے، میں نے اس کے اندر سب چیزیں صحیح صحیح لاکر رکھ دی ہیں اور خاص تناسب کی رعایت کے ساتھ سب چیزیں اس کے اندر بسادی ہیں، اب یہ گھر کسی کے لئے نہیں ہے، اس میں نہ میرا باپ رہے گا، اس میں، نہ میری ماں رہے گی اور نہ ہی میرے بچے رہیں گے، نہ میری بیوی رہے گی، نہ میری دولت رہے گی، نہ میرا دوست رہیگا، نہ میرا خاندان رہیگا، نہ دنیا رہے گی، نہ دنیا کا ساز و سامان رہیگا۔ غرض دنیا کی اس میں کوئی چیز نہیں رہے گی، اس میں اگر کوئی رہے گا تو اے میرے مالک! صرف تو رہے گا۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ کے خلیفہ خواجہ عزیز الحسن رحمہ اللہ نے اس شعر کو موزوں کیا تھا، جب یہ شعر موزوں ہوا تو وہ اپنے شیخ کے پاس آئے اور ان کو یہ شعر سنایا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ پر یہ شعر سن کر وجد طاری ہوگیا اور فرمایا کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہوتے تو وہ تمہیں دیدیتا۔ واقعی یہ شعر ایسا ہی ہے۔

لیکن ایک بات یہاں سمجھ لیں تاکہ کوئی غلط فہمی بھی نہ ہو اور نہ کوئی بدعقیدگی کا دروازہ کھلے، وہ یہ کہ اس حدیث میں یا اس شعر میں اللہ کے برتن یا گھر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں نعوذ باللہ اللہ قیام کرتے ہیں، بلکہ یہ معنی ہے کہ اس میں اللہ کی

محبت وخشیت سماتے ہیں، اللہ پر ایمان ویقین اس میں داخل ہوتے ہیں۔

دل بنانے کے لئے بھی انجینئر چاہئے

تعمیر قلب کے سلسلہ میں آخر میں دو قیمتی مشورے دینا چاہوں گا، جو بہت ضروری ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ گھر بنانے والا خود ہی گھر نہیں بنایا کرتا؛ بلکہ کسی انجینئر (Engineer) سے مشورہ کرتا ہے، اگر کوئی انجینئر سے مشورہ کئے بغیر گھر بناتا ہے تو گھر تو بن جائیگا؛ لیکن وہ اچھا نہیں بنے گا۔

بھائیو! اسی طریقہ پر پہلا مشورہ یہ ہے کہ آپ کے دل کی تعمیر کے لئے جب آپ آغاز کرنا چاہیں تو کسی انجینئر سے مشورہ کر لیجئے، مشورہ کی خاص برکت ہوتی ہے۔اور مشورہ ان سے کیجئے جو اس کے فنکار ہوں اور دل کے فنکار اہل اللہ ہیں، اہل دل ہیں، وہ آپ کو مشورہ دے سکتے ہیں کہ تعمیر قلب کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں، اور اس میں کیا چیزیں نقصان دہ ہیں، جب آپ لوگ عبادات میں، ریاضات میں، مجاہدات میں، اذکار و وظائف میں چلیں تو آپ کو کس طریقہ پر چلنا چاہئے۔

کچھ چیزیں تو شریعت نے عام رکھی ہیں، اس کے لئے مشورہ کی ضرورت نہیں پڑتی؛ لیکن کچھ چیزوں میں مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے نماز پڑھنے کا نمبر آئے تو بغیر مشورہ کے نماز پڑھنا چاہئے؛ اس لئے کہ نماز تو فرض ہے اور اس کی تعداد مقرر ہے، مقدار مقرر ہے، ترتیب وطریقہ مقرر ہے، یہاں کسی رائے ومشورہ کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن نوافل پڑھنا ہو تو شیخ سے مشورہ کرے، اذکار کرنا ہو تو مشورہ کرے، اسی طریقہ پر خاص خاص وظائف اور مختلف قسم کی عبادتوں میں سے جو نوافل ہیں، ان میں مشورہ کرے۔

بھائی! اگر بغیر مشورے کے آگے بڑھے تو ذکر تو ہوگا، لیکن ذکر کر کے یہ سمجھ لیا

کہ میں تو عرش معلیٰ پر پہونچ گیا ہوں تو اس کی وجہ سے اس کا دل بہت ہی گھٹیا ہو جاتا ہے؛ کیونکہ وہ عرش معلیٰ پر تو نہیں پہنچتا، لیکن عرش تعلّی پر پہنچ جاتا ہے، اور اس تعلّی و تکبر و بڑائی کی وجہ سے ساری عبادات و ریاضات بیکار و مردود ہو جاتی ہیں۔اس لئے شیخ کی رہبری میں ان سب چیزوں کو کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

بلند ہمتی سے کام لینے کی ضرورت ہے

بھائیو! مجھے دوسرا مشورہ یہ عرض کرنا ہے کہ دنیا کے گھر بنانے کے لئے بھی بڑی محنت، بڑے مجاہدے کی ضروت ہے، اور ہم خوشی خوشی اس محنت و مجاہدے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اسی طرح دل کی تعمیر کے لئے بھی محنت اور ہمت کی اشد ضرورت ہے، جن لوگوں نے ہمت کی وہ کامیاب ہو گئے، جنہوں نے پست ہمتی سے کام لیا ان کا گھر کبھی آباد نہیں ہوگا۔

ہم میں سے بیشتر لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان کو دین سے محبت ہوتی ہے، اللہ سے بڑی محبت ہوتی ہے، اللہ سے ان کو تعلق بھی ہوتا ہے، آخرت کی فکر بھی ہوتی ہے، وہ چاہتے بھی ہیں کہ ہم اچھے بن جائیں، وہ چاہتے ہیں کہ گناہ چھوٹ جائے، وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دل بن جائے، وہ چاہتے ہیں کہ دل میں نرمی آجائے۔ یہ سب کچھ چاہتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود پست ہمتی کی وجہ سے نسخے کو استعمال نہیں کرتے۔ سمجھتے ہیں بڑا اکڑوا ہے، اس لئے ہمت نہیں ہورہی ہے، بڑا دل کے اوپر بارڈالنا پڑے گا، اور بارڈالنے میں پست ہمتی ایسی ہوتی ہے کہ وہ اس کو استعمال کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔ بھائیو! پست ہمتی کا مسئلہ تو ایسا ہے کہ ایک دفعہ ذراسی ہمت کر کے چھلانگ لگا دو ساری پست ہمتی دور ہو جائے گی۔

پست ہمتی کا علاج، افلاطون کا قصہ

ایک قصہ سنا دوں آپ کو پست ہمتی پر، قصہ بھی ہے یہ، اور لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ افلاطون کے زمانے میں ایک دفعہ افلاطون ایک کشتی میں سوار کہیں جا رہے تھے، بہت بڑے حکیم تھے، اپنے زمانے میں بہت بڑے عقلمند لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے تھے۔ بہر حال ایک کشتی میں سوار جا رہے تھے اور اسی کشتی میں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بے چارہ پہلی مرتبہ کشتی میں سوار ہوا تھا، سمندر کا سفر تھا، ڈر کر چیخیں مارنا شروع کر دیا، پست ہمتی کی وجہ سے، زور زور سے رو رہا ہے، چیخ رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی! کیا مصیبت آئی؟ کیا پریشانی ہے؟ کہنے لگا کہ ڈر لگتا ہے، افلاطون اپنے غور وفکر میں غرق تھا، اس لئے کہ وہ کوئی عام آدمی تو تھا نہیں، وہ ہر وقت غور میں، فکر میں، تلاش میں، جستجو میں، حقائق کے دھیان میں رہتا تھا، تو اپنے آپ میں مگن بیٹھا ہوا تھا، بہت دیر کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہاں کچھ ہو رہا ہے، اس نے پوچھا کیا تماشہ ہے؟ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ دیکھئے، یہ صاحب بہت رو رہے ہیں، پریشان ہو رہے ہیں۔ کہا کہ کیوں؟ کہا گیا کہ پہلی دفعہ کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کر رہے ہیں، اور ڈر کے مارے چیخ رہے ہیں۔

افلاطون بہت بڑا عقلمند تھا، اس نے کہا کہ اس کا علاج میں کرتا ہوں، اس نے دونوں طرف سے اس آدمی کو ایک دم دبوچا، اور اٹھا کر کشتی کے باہر سمندر میں زور سے ڈال کر ایک ڈبکی لگایا اور اٹھا کر بٹھا دیا، اٹھ کے جو بیٹھا تو وہ آدمی ایک دم خاموش ہو گیا، اب آواز بالکل نہیں۔ لوگوں نے کہا عجیب علاج ہے؟ پوچھا کہ جناب!

یہ کیا علاج تھا؟ کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ کشتی کے اس سفر کو بہت بڑا خطرہ سمجھ رہا تھا، اس وجہ سے یہ پریشان ہو رہا تھا، میں نے اس کو یہ بتایا کہ جہاں تو بیٹھا ہے، یہ عافیت ہے، اس سے بڑا خطرہ یہ ہے، ذرا ڈبکی مار کے دیکھ یہاں کا خطرہ، اب جو اس خطرہ میں جا کے آیا تو اسے معلوم ہوا کہ میں تو بڑی عافیت میں تھا۔ اب یہاں شکر کر رہا ہے۔

اسی طرح بھائی ہمت کر کے اگر ایک چھلانگ آپ لگا دیں تو پھر اس کے بعد ساری پست ہمتی ختم ہو جاتی ہے، اب دیکھو پہلے تو کیسا پست ہمت ہو رہا تھا، اب دیکھئے کہ پست ہمتی ختم ہو گئی، آرام سے بیٹھا ہوا ہے، خوشی خوشی بیٹھا ہوا ہے۔

اسی طرح یہ نسخے دین اسلام کے سلسلے میں اگر ہم کو ذرا کڑوے لگتے ہیں، ہمت نہیں ہوتی، تو یہ ہمت اس لئے نہیں ہوتی کہ ہم ہمت کرتے نہیں ہیں، ایک دفعہ کر کے دیکھو، دو دفعہ کر کے دیکھو، پھر اس کے بعد وہ ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ آدمی اس کے بغیر سکون سے نہیں رہتا، اس لئے ہمت کرنا چاہئے۔

انسانی دل ایک کمپیوٹر ہے

ایک حدیث کی جدید اور انوکھی تشریح

الحمدللّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ . اما بعد : فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

﴿ أَلا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّه وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّه ، اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ ﴾

(بخاری:۱/۱۳،مسلم:۲/۸۲)

میرے دینی بھائیو! میں نے ایک حدیث پڑھی ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ’’کان کھول کر سن لو کہ جسم کے اندر ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح رہتا ہے تو جسم کا پورا نظام صحیح رہتا ہے اور اگر وہ ٹیڑھا ہو جائے، خراب ہو جائے تو جسم کا پورا نظام خراب ہو جاتا ہے، جان لو کہ وہ لوتھڑا دل ہے‘‘۔

یہ ایک بہت ہی اہم حدیث ہے، جس میں اصلاح قلب کی جانب توجہ دلائی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دل جسم کے اندر سب سے اہم ہے اور اسی پر جسم کا ظاہری نظام بھی قائم ہے اور باطنی نظام بھی، لہذا دل کا نظام و سسٹم صحیح ہو تو جسم کا نظام صحیح رہتا ہے اور اگر دل کا سسٹم خراب ہو جاتا ہے تو جسم کا پورا نظام و سسٹم برباد ہو جاتا ہے۔

اس وقت میں اس حدیث کی تشریح کرنا چاہتا ہوں، اور اللہ نے اس حدیث کی

توضیح وتشریح میں ایک بات میرے دل میں ڈالی ہے، اسی کو اس وقت پیش کروں گا۔

بزرگو! ابھی کچھ دیر پہلے یہاں جامعہ (مراد جامعہ مسیح العلوم، بنگلور ہے) میں دو صاحبان ملاقات کے لئے آئے تھے، جو ایک سافٹ ویر کمپنی میں کام کرتے ہیں، انھوں نے کچھ اصلاحی باتیں سننے کی خواہش کی، ان سے گفتگو کے دوران ایک مضمون دل میں آیا اوراسی کے ساتھ مذکورہ حدیث کا مفہوم اوراس کی شرح بھی سامنے آ گئی، میں نے ان کے سامنے اسی کو پیش کر دیا، میں اسی کو یہاں آپ حضرات کو بھی سنانا چاہتا ہوں۔

خطاب میں مخاطب کی رعایت

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ موجودہ دور کمپیوٹر کا دور ہے، سافٹ ویر کا دور ہے، بنگلور بھی اس سافٹ ویر کی دنیا میں بہت آگے ہے، جو صاحبان آئے تھے وہ بھی سافٹ ویر کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں، اس لئے میرے ذہن میں ایک بات اسی کے حوالہ سے آئی، کیونکہ خطاب میں مخاطب کی رعایت ضروری ہے، اگر مخاطب ہو جاہل اوراس سے خطاب کیا جائے عالمانہ وفاضلانہ تو وہ پوری بات نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح مخاطب ہو عالم وفاضل اور خطاب میں وہ طریقہ استعمال کیا جائے جو ایک عامی کے مناسب ہے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔ پھر اس میں بھی اگر ڈاکٹر سے اس کی اپنی اصطلاحات وزبان میں گفتگو کی جائے تو وہ بہت جلد مانوس ہو جاتا ہے اور بات کا اثر جلد قبول کرتا ہے، اگر مخاطب انجینئر ہے اوراس سے گفتگو میں اس کی اصطلاحات کا سہارا لیا جائے تو اس کا بڑا اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔ علماء کو اس کی بھی رعایت کرنا چاہیئے۔ الغرض میں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ سافٹ ویر انجینئر ہیں تو میں نے انہی

کی زبان میں گفتگو شروع کی۔

کمپیوٹر میں تین چیزیں ہیں

ان کے سامنے جو عرض کیا گیا خلاصہ اس مضمون کا یہ ہے کہ کمپیوٹر میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک کو ہارڈ ویر (HARD WARE) کہتے ہیں، اور ہارڈ ویر اس کا ظاہری جسم ہے، جو نظر آتا ہے اور دوسری چیز سافٹ ویر (SOFT WARE) ہے، یہ دراصل کمپیوٹر کی جان و روح ہے۔ پھر ہارڈ ویر میں ایک تو اس کی ہارڈ ڈسک (HARD DISK) ہوتی ہے اور ایک اس کا مانیٹر (MONITOR) ہوتا ہے۔ اس طرح کمپیوٹر میں کل تین چیزیں ہوتی ہیں: ایک ہے مانیٹر، دوسری ہے ہارڈ ڈسک اور تیسری ہے سافٹ ویر (SOFT WARE)۔

اب سنئے کہ مانیٹر تو صرف یہ کام کرتا ہے کہ کمپیوٹر کے اندر کی چیزوں کو اسکرین پر دکھاتا اور ظاہر { Display } کرتا ہے، اس کے سوا اس کا کوئی کام نہیں۔ اور ہارڈ ڈسک اس میں اصل چیز اور اس کی روح ہے، اسی سے کمپیوٹر کا پورا سسٹم چلتا ہے۔ اور سافٹ ویر اس ہارڈ ڈسک میں ایک چیز ڈالی جاتی ہے، جب آپ سافٹ ویر اس میں ڈالیں گے تو وہ اس کو اخذ یعنی (catch) کر لے گا، اور پھر اسی چیز کو مانیٹر کے ذریعہ دکھائے گا، مانیٹر کا کام صرف مظاہرہ کا ہے، یعنی دکھانے کا، ڈسپلے کرنے کا، اصل چیز یہ نہیں ہے، یہ دراصل کمپیوٹر کا جسم ہے اور ہارڈ ڈسک اس کمپیوٹر کے جسم کا دل ہے اور جو اس کے اندر سافٹ ویر بھرا ہوا ہوتا ہے، وہ دراصل اس کی روح ہے۔

ہارڈ ڈسک کو آپ پکڑ سکتے ہیں، چھو سکتے ہیں، دیکھ سکتے اور دکھا سکتے ہیں، بتا سکتے ہیں، خرید کے اسے ہاتھ میں اٹھا کر لا سکتے ہیں، لیکن سافٹ ویر جو ہارڈ ڈسک

کے اندر ڈالا جاتا ہے اس کو آپ پکڑ نہیں سکتے ، اس کو آپ چھو نہیں سکتے ، یہ ایک معنوی چیز ہے، جو ہارڈ ڈسک کے اندر داخل کر دی جاتی ہے، جب آپ اسے اس کے اندر داخل کریں گے تو مانیٹر دکھائے گا کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہیں ، اس کے اندر جو عجیب وغریب چیزیں ہیں، وہ سب اس کے اندر سے نظر آئیں گی ۔اور سافٹ ویر ڈالے بغیر کمپیوٹر کوئی کام نہیں کرسکتا، اس کو کام میں لانا ہو تو سافٹ ویر اس میں داخل کرنا پڑے گا۔

انسان کی تمثیل کمپیوٹر سے

جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ سمجھو کہ اسی طرح انسان کی مثال ایک کمپیوٹر کی سی ہے،اوراس میں بھی دو چیزیں ہیں: ایک ہارڈ ویر ہے یہ اس کا جسم ہے،اوراس میں ایک ظاہری جسم ہے، یہ مانیٹر کے مانند ہے اور ایک اندرونی جسم ہے، یہ دل ہے، یہ ہارڈ ڈسک کی طرح ہے، اور یہ دونوں چیزیں انسان میں ہارڈ ویر کی طرح ہیں، اور اس ہارڈ ویر کو آپ پکڑ سکتے ہیں،، دیکھ سکتے ہیں، کسی کو دکھا بھی سکتے ہیں ،دل کو بھی آپ نکالیں گے تو ہاتھ میں آ جائے گا ،اور یہ دیکھا بھی جا سکتا ہے ،اور دکھایا بھی جاسکتا ہے ۔اور دوسری چیز اس دل میں ڈالی جانے والی چیز ہے، جیسے ایمان وکفر، نیکی یا برائی، طاعت یا معصیت وغیرہ، یہ اس انسانی کمپیوٹر کا سافٹ ویر ہے۔

بھائیو! اب غور کرو کہ جس طرح کمپیوٹر سافٹ ویر کے بغیر کام نہیں کرتا ، اسی طرح دل کے اندر ایمان و نیکی کا سافٹ ویر داخل کیے بغیر انسان بھی صحیح طور پر کام نہیں کرسکتا ، لہذا ایک سافٹ ویر آپ کو اپنے دل کے اندر داخل کرنا پڑے گا ، جو سافٹ ویر داخل کریں گے وہی آپ کے اعمال وافعال سے نظر آئے گا ، وہی آپ کے اندر سے نظر آئے گا ،اور یہ نظر آئے گا کہاں؟ مانیٹر میں ،اور وہ مانیٹر انسان کا جسم

ہے۔ سافٹ ویر کو رکھنے والی چیز ہارڈ ڈسک ہے اور ہارڈ ڈسک کے اندر جس سافٹ ویر کو آپ نے داخل کر دیا ہے، اس کا مظاہرہ کرنے کے لیے جسم مانیٹر ہے، اس میں آپ کے سارے عمل جو اندر سے صادر ہوں گے، وہ مظاہرہ میں آئیں گے، اچھا عمل، برا عمل، نیکی و طاعت کا عمل، برائی و معصیت کا عمل، شر کا عمل، خیر کا عمل، شیطانی عمل، رحمانی عمل، سب اسی جسم پر ظاہر ہوگا، لیکن ظاہر کیسے ہوگا؟ دل کی وجہ سے ظاہر ہوگا، لیکن دل بھی یہ کام خود نہیں کرتا، بلکہ جو سافٹ ویر آپ اس میں ڈالیں گے، اسی سافٹ ویر کو آپ کے اعضاء سے دکھائے گا۔

یہ مثال میری سمجھ میں آئی اور مجھے یہ حدیث بھی سمجھ میں آئی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ جسم کے اندر ایک لوتھڑا ہے، اور وہ دل ہے، جب وہ صحیح رہتا ہے، یعنی جب اچھا سافٹ ویر اس میں داخل کیا جاتا ہے، جب اسے صالح بنایا جاتا ہے، اسے ڈھنگ کا بنایا جاتا ہے، اس کے اندر بہترین چیزیں داخل کی جاتی ہیں تو جسم بھی صحیح و سالم رہتا ہے، اور اگر دل کی ہارڈ ڈسک میں کوئی گندہ سافٹ ویر ڈال دیا تو جسم سے بھی برائی و خباثت ہی ظاہر ہوگی۔

دل کے لئے ایمانی سافٹ ویر

اب سنئے کہ اعمال و اخلاق جو جسم سے ظاہر ہوتے ہیں ان کے صحیح و اچھے ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دل میں ایمانی سافٹ ویر داخل کئے جائیں، یہ ایمانی سافٹ ویر کیا ہیں؟ یہ محبت و عشق الٰہی، ذکر و یاد الٰہی، خوف و خشیت الٰہی، توکل و اعتماد علی اللہ، انابت و توجہ الی اللہ، اخلاص و للّٰہیت، خشوع و خضوع، عشق رسول، عظمت رسول، خوف و فکر آخرت، زہد و قناعت، وغیرہ کے سافٹ ویر ہیں۔

مثال کے طور پر خوفِ خداوندی کا سافٹ ویر اس میں آپ داخل کر دیں، محبت

خداوندی کا سافٹ ویر آپ اس میں داخل کردیں، اور عشقِ محمدی کا سافٹ ویر آپ اس میں داخل کردیں اوراسی طریقہ پر آپ اس کے اندر اخلاص کا سافٹ ویر داخل کردیں، تواضع کا ایک سافٹ ویر داخل کردیں، اسی طرح بہت سارے یہ سافٹ ویر داخل کیئے جاسکتے ہیں۔ جب اس قسم کے سافٹ ویر اس میں داخل کردیں گے تواب آپ کے اس مانیٹر سے یعنی جسم کے اعضاء سے، اسی طرح کے نیک وعمدہ اعمال وافعال صادر ہونے لگیں گے، اب اس سے تواضع چھلکتی ہے، اخلاص اس سے ظاہر ہوتا ہے، اللہ کا خوف محسوس ہوتا ہے، کبھی آنسو چھلک پڑتے ہیں، کبھی دل میں اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہونے لگتی ہے، آدمی کا دل بھی، دماغ بھی سب اس سے متاثر ہوتے ہے، اللہ کی محبت آجاتی ہے، نمازوں کی طرف دل چلنے لگتا ہے، خشوع وخضوع کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، دماغ آخرت کے کاموں کی طرف چلنے لگتا ہے۔

یہ ساری باتیں جوآپ کے جسم کے مانیٹر سے ظہور میں آتی ہیں، یہ دراصل دل کی ہارڈ ڈسک کے اندر جو پڑا ہوا سافٹ ویر ہے اس کی وجہ سے ہیں۔

شیطانی سافٹ ویر

اس کے برخلاف دل کو بگاڑنے والے سافٹ ویر بھی ہوتے ہیں، جو ایمانی سافٹ ویر کے برخلاف دل کو تباہ وبرباد کرتے ہیں، جیسے مثال کے طور پر اللہ سے غفلت کا سافٹ ویر، دنیا کی محبت کا سافٹ ویر، تکبر کا سافٹ ویر، یا ریا کاری کا سافٹ ویر، خواہش نفس کا سافٹ ویر، آخرت سے غفلت کا سافٹ ویر، وغیرہ۔ اور فرض کیجئے کہ آپ نے دل کی اس ہارڈ ڈسک میں جیسے دنیا کے لوگ کمپیوٹر میں غلط سافٹ ویر بھی داخل کردیتے ہیں۔ مثلاً اس کے اندر ناچ گانا، فحش وعریاں تصاویر،

حیا سوز مناظر، یا ایمان سوز باتیں، اسی طرح مختلف قسم کی گندی اور خبیث قسم کی چیزیں، شیطانی قسم کے اعمال کے سافٹ ویراس میں داخل کر دیتے ہیں، اس طرح کے شیطانی سافٹ ویرانسٹال کر دئے تو جو سافٹ ویراس میں رہے گا، وہی نظر آئے گا، آپ اسے کھولیں گے تو ننگے ناچ بھی نظر آئیں گے، خباثتیں بھی نظر آئیں گی، شرارتیں بھی نظر آئیں گی۔

اسی طرح دل کے اندر اگر غلط سافٹ ویرآپ نے داخل کر دیا تو آپ کے اعمال سے بھی اور آپ کے جسم کے مانیٹر سے بھی وہی سب چیزیں چھلکیں گی۔

لہٰذا جو خبائث ورذائل ہمارے اعمال سے صادر ہوتے ہیں وہ دراصل دل کی ہارڈ ڈسک کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کی شرح

اس تمہید کے بعد اب سنئے کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اسی کو فرماتے ہیں کہ جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے:

''اِذَا صَلُحَتْ'' (جب یہ لوتھڑا صحیح رہتا ہے)، اچھا سافٹ ویراس میں داخل کیا جاتا ہے ایمان کا، طاعت وعبادت کے چسکہ کا، محبت الٰہی کا، خوف الٰہی کا، تقوی وتزکیہ کا، اخلاص وللّٰہیت کا، خوف وفکر آخرت کا تو پھر کیا ہوتا ہے:

''صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہ'' (پورے جسم کا نظام صحیح طور پر قائم رہتا ہے) اور اس کے مانیٹر سے بھی اچھے اچھے اعمال، اچھی اچھی باتیں صادر ہوتی ہیں۔ زبان سے اللہ کا ذکر، دین کی باتیں، لوگوں کی بھلائی کی باتیں صادر ہوں گی، ہاتھ پیر سے نیک اعمال واخلاق کا ظہور ہوگا، کانوں اور آنکھوں سے بھی صلاح وتقوی نکلے گا۔

''وَاِذَا فَسَدَتْ'' (اور اگر یہ لوتھڑا خراب وفاسد ہو جاتا ہے) غلط سافٹ ویر

اس میں داخل کر دیا جاتا ہے، بے ایمانی کا، غفلت کا، معصیت کا، تکبر و عجب کا، دنیا کی محبت کا، اور یہ دل کا ہارڈ ڈسک خراب ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

" فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّه " (تو پورا جسم کا نظام خراب ہو جائے گا) پھر پورے جسم سے غلط ہی غلط چیزیں ظاہر ہوں گی، حیاسوز و ایمان سوز اعمال صادر ہوں گے، کفر و شرک دکھائی دے گا، معصیت و گناہ کی باتیں ظاہر ہوں گی، نہ زبان ٹھیک چلے گی، نہ ہاتھ پیر صحیح کام کریں گے، نہ آنکھ و کان ڈھنگ و سلیقہ کے ہوں گے، الغرض سارا جسم غلط ہی کام کرے گا۔

حضرات صوفیاء کا کام

لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے دل میں اچھے اچھے سافٹ ویر داخل کرے اور برے و گندے سافٹ ویر سے پرہیز کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرات صوفیاء کا یہی کام ہے، وہ آپ کے دل کو نیکی و طاعت کے جذبات سے بھر دینا چاہتے ہیں، وہ اللہ کی محبت و معرفت سے قلوب کو لبریز کرنا چاہتے ہیں، دنیا کی محبت سے دلوں کو خالی کرنا چاہتے ہیں، لہذا حضرات مشائخ کے یہاں جو محنت ہوتی ہے، اس محنت کا خلاصہ اگر آج کی کمپیوٹر کی زبان میں، سائنس کی زبان میں پیش کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ مشائخ دو کام کرتے ہیں: ایک یہ کہ آپ کو اچھے سافٹ ویر اپنے جسم میں داخل کرنے کی تلقین اور گندے سافٹ ویر سے دور رہنے کی تعلیم دیا کرتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ وہ خود یہ سافٹ ویر فراہم بھی کرتے ہیں، اس کی دکان انہی کے پاس ہے۔

دل کا سافٹ ویر کہاں ملے گا؟

اگر آپ کہیں کہ وہ ایمانی و روحانی سافٹ ویر کہاں ملے گا؟ یہ دنیا کے سافٹ ویر تو ہم کو مل جاتے ہیں، بہت سی کمپنیاں ان کو بناتی ہیں، اور اس کا اشتہار و اعلان بھی

کرتی ہیں، ان کے ایڈورٹائیز آتے رہتے ہیں، اخبار میں ایڈورٹائیز، رسائل وجرائد میں ایڈورٹائیز، اسی طرح ٹیلی ویژن میں اس کا ایڈورٹائیز، ہر جگہ پر اس کا ایڈورٹائیز ہوتا ہے، بورڈ بہت بڑے بڑے لگے ہوئے ہیں، اوران کی کمپنیاں بڑی بڑی عمارتوں میں قائم ہیں، نظر آتی رہتی ہیں۔ مگر دل کا سافٹ ویر کہاں ملے گا؟

قرآن کریم نے اس کا جواب دیا ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾

[التوبة: ۱۱۹]

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور نیک لوگوں کے ساتھ رہو)

اگر جدید انداز میں موجودہ حالات کے پیش نظر یوں ترجمہ کریں تو بھی صحیح ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈر کا سافٹ ویر خریدلو) یہ آج کا جدید ترجمہ ہے، لوگ چاہتے بھی ہیں کہ جدید جدید ترجمے ہوں، لیجئے جدید ترجمہ میں کررہا ہوں۔

اس پر سوال پیدا ہوا کہ یہ سافٹ ویر کہاں سے خریدیں؟ تو اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ: ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (نیک لوگوں کی مجلسوں کو چلے جاؤ، ان کے پاس یہ سافٹ ویر مل جائے گا) نیک لوگوں کی معیت میں، مجلس میں، صحبت میں، نیکوں کے قریب رہنے سے وہ سافٹ ویر تم کو مل سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی مجالس میں، اولیاء اللہ کی صحبتوں میں اللہ نے وہ سافٹ ویر رکھ دیا ہے، جو آدمی ان کی صحبت میں بصدق دل رہتا ہے، اسے خریدنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، دنیا کے سافٹ ویر تو ہزاروں روپے دے کر خریدنا پڑتا ہے، لیکن یہاں اولیاء اللہ کے پاس سے تو یہ سافٹ ویر مفت میں کاپی [copy] ہوجاتا اور منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہ اللہ والے دل کی ہارڈ ڈسک میں داخل کئے جانے

والے سافٹ ویر کے ''سافٹ ویر انجینیر'' بھی ہیں، اور اس کے ڈیلر [Dealer] بھی؛ مگر ان کے یہاں کی ڈیلنگ بھی عجیب ہے کہ سب کو مفت میں دیتے ہیں۔ لہذا جس کو یہ روحانی و ایمانی سافٹ ویر چاہیئے اس کو اولیاء اللہ و صالحین کی خدمت میں جانا چاہیئے، اور ان سے یہ حاصل کرنا چاہیئے۔

دل کا وائرس [virus]

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ کمپیوٹر کی دنیا میں ایک چیز اور بھی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ کمپیوٹر والے کہتے ہیں کہ کمپیوٹر میں وائرس [virus] آجاتا ہے، جس کی وجہ سے کمپیوٹر کھولتے ہیں تو اسٹارٹ ہی نہیں ہوتا، اور کبھی اسٹک ہو جاتا ہے اور کبھی بہت دیر سے چلتا ہے، اور اس کی وجہ سے اس میں ڈالے گئے سافٹ ویر خراب ہو جاتے ہیں۔

اب سافٹ ویر انجینئر دیکھ کر کہتا ہے کہ اس میں وائرس [virus] آگیا ہے۔ کیا ہے وائرس؟ کیا بلا ہے یہ؟ وائرس کہتے ہیں زہریلے مادہ کو، جب یہ وائرس زہریلا مادہ کمپیوٹر پر حملہ کرتا ہے تو اس کے نظام کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے، یہ تو کمپیوٹر کا وائرس ہے، اور ہمارے دل کے لحاظ سے اور آپ کو سمجھانے کے لیے وائرس کا ایک ترجمہ میں یہ کرسکتا ہوں کہ وائرس ہے ''شیطان''، وائرس کیا ہے؟ اس ہمارے کمپیوٹر کے شیطان کا نام ''وائرس'' ہے۔ لہذا یہ بھی جب ہم پر حملہ کرتا ہے تو ہمارے پورے نظام کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے، دل خراب، دماغ خراب، آنکھیں خراب، کان خراب، زبان خراب، ہاتھ پیر خراب، سارے اعضاء نکمے ہو جاتے ہیں۔

اس شیطانی وائرس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''**إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ**'' (کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح یا خون کی رگوں

میں دوڑتا ہے)　　(صحیح بخاری:۲۰۳۸،صحیح مسلم:۵۸۰۷،صحیح ابن حبان:۳۷۴۱)

اس حدیث میں ایک لفظ آیا ہے:'' **مجریٰ الدم**''اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں،ایک تو یہ کہ یہ لفظ ''**مجریٰ**''مصدر ہو اور دوڑنے کے معنے میں ہو،اس صورت میں اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ شیطان انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جس طرح اس کے اند خون دوڑتا ہے۔اور یہ ''**مجریٰ**''اس صورت میں ''یجری'' کا مفعول مطلق ہوگا۔اور دوسرے یہ کہ یہ ''**مجریٰ**''اسم ظرف ہو،اور ''دوڑنے کی جگہ'' کے معنے میں ہو،اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: شیطان انسان کے اندر خون دوڑنے کی جگہ میں یعنی اس کی رگوں میں دوڑتا ہے۔پہلی صورت میں یہ بتایا ہے کہ شیطان انسان کے اندر دوڑتا ہے،مگر کہاں دوڑتا ہے؟ یہ نہیں بتایا گیا۔اور دوسری صورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان انسان کے اندر کہاں دوڑتا ہے؟ خون دوڑنے کی جگہ میں دوڑتا ہے،یعنی رگوں میں دوڑتا ہے۔الغرض شیطان انسان کے اندر دوڑتا ہے،داخل ہوتا ہے۔اور اس طرح یہ وائرس اس کو بیکار و خراب کرتا ہے۔

دل کا اینٹی وائرس (Anti-Virus)

اس لئے جس طرح کمپیوٹر کو وائرس سے بچایا جاتا ہے اسی طرح ہمیں بھی خود کو شیطان سے بچانا ضروری ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس وائرس سے کیسے بچیں؟ کمپیوٹر والے کہتے ہیں کہ وائرس بڑا خبیث ہوتا ہے،اس کو ختم کرنے کے لیے اینٹی وائرس (Anti - Virus) سافٹ ویر بھی کمپیوٹر میں داخل کیا جاتا ہے۔اینٹی وائرس کا مطلب ''زہر مخالف'' سافٹ ویر،اور وہاں جس طرح اینٹی وائرس ضروری ہے اسی طرح دل کے لئے ایک اینٹی وائرس یعنی ''شیطان مخالف'' سافٹ ویر چاہیئے۔اینٹی'' کے معنی ''مخالف''،جیسے اینٹی اسلام کے معنی کیا؟ اسلام مخالف۔اسی

طرح اینٹی وائرس کا مطلب ہوا ''وائرس مخالف'' یہ وائرس اس میں آگیا، اس کا ایک مخالف ایک سافٹ ویر اس میں داخل کرنا پڑتا ہے، جب آپ اس میں وہ ڈالیں تو جونہی وائرس اس میں داخل ہوگا، فوراً وہ بتائے گا کہ آپ کے کمپیوٹر میں وائرس آگیا ہے، مجھے کام میں لاؤ، میں اس کو پکڑ کے ختم کردوں گا۔ اگر آپ نے اس پر کلک کردیا، تو کلک کرتے ہی وہ اینٹی وائرس سافٹ ویر فوراً اسے پکڑ کر جہاں بھی ہوگا اسے ختم کردے گا۔ یہ ہے اینٹی وائرس سافٹ ویر۔

اسی طرح بھائیو! ہمارے دل کے لئے بھی ایک اینٹی وائرس سافٹ ویر کی ضرورت ہے، تاکہ ہمارا نظام دل وجسم خراب نہ ہوجائے۔ یہ اینٹی وائرس کیا ہے؟ وہ اللہ کا ڈروخوف ہے، اور یہ ''خوف الٰہی کا اینٹی وائرس سافٹ ویر'' بھی حضرات اولیاء اللہ ہی ہمارے دل میں داخل کرتے ہیں۔ اور اسی کا نام ''اینٹی شیطان'' ہے۔ تو خوفِ الٰہی کے اینٹی وائرس کو دل میں ڈال کے چھوڑ دو، اب وہ دل میں پڑا رہے گا، جہاں کہیں شیطان آپ کے جسم پر حملہ کرے گا، یا دل میں گھس کر بہکائے گا تو وہ فوراً پکڑ لے گا، اور اس کو باہر نکال دے گا۔

خلاصۂ کلام

میرے بھائیو! اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اندر دل اصل ہے، اس کی اچھائی و برائی کا اثر ہمارے ظاہر پر پڑتا ہے، دل اچھا تو سب اچھا، دل برا تو سب برا، لہٰذا ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنے دل کی اصلاح وتزکیہ کا کام کریں، اور اس کا طریق یہ سمجھ میں آیا کہ اس میں ایمانی وروحانی سافٹ ویر داخل کریں، یہی کہنا ہے کہ ہمارے دلوں میں بہترین سافٹ ویر داخل کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے عشق کا، اللہ کے خوف کا، اللہ کے تقویٰ کا اور اسی طریقہ پر اخلاص کا، اور تواضع کا،

اور نیکیوں کا، نماز سے لگاؤ کا اور دین کے کاموں سے الفت و محبت کا، یہ سب سافٹ ویر ہیں اور ایک کمپیوٹر میں بہت سارے سافٹ ویر داخل کیے جاسکتے ہیں، اور وہ سب کام کر سکتے ہیں۔ اسی طرح برے وخبیث سافٹ ویر سے اس کو دور رکھیں، نیز شیطانی وائرس سے اس کو بچائیں، مگر یہ ایمانی و روحانی سافٹ ویر کہاں ملے گا؟ یہ اہل اللہ کی خدمت میں جانے سے ملے گا، اسی طرح وائرس سے بچانے کے لئے اس دل کی ہارڈ ڈسک میں اینٹی وائرس داخل کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ بھی اہل اللہ کے پاس ملے گا، لہذا ان کی خدمت میں جایا جائے اور ان کو حاصل کیا جائے۔

اسی طرح دل کی اس ہارڈ ڈسک کے اندر آپ ان سافٹ ویروں کو داخل کر دیجئے وہ سب اندر پڑے پڑے آپ کو بہترین انسان بنائیں گے، اور آپ کے مانیٹر سے یعنی جسم کے اعضاء سے بہترین اعمال صادر کر کے لوگوں کو بتائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

نتیجۂ فکر: شعیب اللہ خان مفتاحی

یاد میں تیری یہ دِل دِل ہوگیا
نام سے تیرے یہ بسمل ہوگیا
کھل گئے اسرارِ عشق و معرفت
غیرِ حق سے جو میں غافل ہوگیا
نقشِ لیلی ہو چکا ہے پاش پاش
عشقِ مولیٰ اب تو حاصل گیا
اب تو یہ دل تیرے قابل ہوگیا
غیر سے تیرے نظر ہی اٹھ گئی
جب سے تجھ سے عشق کامل ہوگیا
ذکر کے انوار مجھ پر چھاگئے
جونہی دل میں کیف داخل ہوگیا
میری نظروں سے یہ دنیا گرگئی
کیونکہ کچھ کچھ میں بھی عاقل ہوگیا
نور تیرا کیا خبر کیا چیز ہے
سب ہیں روشن گو تیر اظل ہوگیا
نقش فانی پر نظر آسان تھی
تھا جو آسان اب وہ مشکل ہوگیا
ساری دنیا نقشِ حیرت بن گئی
کیونکہ ظرفی غم کا حامل ہو گیا